قرآن کریم اور سُنّت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام کی تعلیمات کا علمبردار

بینات

جلد: ۹۰ شمارہ: ۱
محرم الحرام: ۱۴۴۸ھ - جولائی: ۲۰۲۶ء
قیمت فی شمارہ: ۷۰ روپے، زرِ سالانہ: ۸۰۰ روپے

مُدیر/مُدیرمسئول
مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

نائب مُدیر
مولانا سید احمد یوسف بنوری

مُدیرمُعاوِن
مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ

خط وکتابت اور ترسیلِ زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ ’’بینات‘‘ جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن
کراچی، پوسٹ کوڈ: 74800 پوسٹ بکس نمبر: 3465
فون دفتر ’’بینات‘‘: 021-34927233

بیرونِ ملک سے بذریعہ ہوائی ڈاک

یورپ اور امریکی ممالک، وغیرہ: 50 امریکی ڈالر
عرب اور ایشیائی ممالک، وغیرہ: 40 امریکی ڈالر

اکاؤنٹ نمبر

اکاؤنٹ نمبر: 0101900-397-7 برانچ کوڈ: 00816
مسلم کمرشل بینک علامہ بنوری ٹاؤن برانچ کراچی

وضاحت

ماہنامہ ’’بینات‘‘ میں اشتہارات کی اشاعت کا مقصد تصدیق اور سفارش نہیں ہے۔ ادارہ معاملات کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ
علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

فون: 34913570 - 34123366 - 34121152 Ext. 146 - 147
فیکس: 92-21-34919531 +
Web: www.banuri.edu.pk *Email*: bayyinat@banuri.edu.pk

ناشر: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری مطبع: شفق پرنٹنگ پریس طابع: حافظ ثناء اللہ واحدی

فہرستِ مضامین

بصائر و عبر

قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کا آئینی فیصلہ		
چند غلط فہمیوں کا ازالہ	۳	محمد اعجاز مصطفیٰ
''پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے''	۸	

مقالات و مضامین

مکاتیب بنام حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ		
از حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر رحمۃ اللہ علیہ	۱۰	انتخاب: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری
انسانی علم اور مشورہ و استخارہ	۱۴	مولانا عبدالمتین
علم کی گمشدہ کڑیاں ... مغرب کی تقلید اور روشنی کے وارث	۲۳	مولانا سفیان علی فاروقی
اسلام میں چھوٹی چھوٹی نیکیوں کی اہمیت و اجر	۲۶	مولانا قاری محمد سلمان عثمانی
تدوینِ قرآن کے کچھ اہم گوشے	۳۰	مولوی قدرت اللہ
حضرت عمرؓ کے دور میں ذخیرہ اندوزی کے سدِباب کے اقدامات	۳۹	مولانا غلام اکبر لاشاری
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بچوں سے مشفقانہ و مُربّیانہ تعلق	۴۵	مولوی محمد ہانی رفیق
ماہِ صفر المظفر کی اہمیت و فضیلت	۵۳	مولانا محمد عرفان اللہ اختر

یادِ رفتگان

مولانا ڈاکٹر عبدالشہید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ	۵۶	مولانا ڈاکٹر عبدالقیوم سندھی

دار الافتاء

غیر مسلم کی دعوت میں شرکت	۶۰	ادارہ

نقد و نظر

تزيين الظرف بأزهار قوانين الصرف	۶۲	ادارہ
تفريح الفؤاد بتشريح ''بانَت سُعاد''	۶۳	ادارہ

قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کا آئینی فیصلہ

چند غلط فہمیوں کا اِزالہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلامٌ علی عبادہ الذین اصطفی!

برِصغیر پاک و ہند میں ایک جھوٹے شخص مرزا غلام احمد قادیانی نے مسیلمہ کذاب کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا اور اپنے دامِ تزویر میں سادہ لوح مسلمانوں کو پھنسانے لگا۔ تب علمائے کرام نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت اصحابِ رسول کی پیروی میں اس فتنہ کا مقابلہ کیا اور تمام قادیانی شبہات کے جوابات سے پوری طرح اُمت کو مطمئن کر دیا، چنانچہ اس ضمن میں جتنا لٹریچر لکھا گیا اور جس قدر علمی دلائل احاطۂ تحریر میں لائے گئے، میری معلومات کے مطابق پوری اسلامی تاریخ میں کسی فتنہ کے رد میں اتنا کچھ نہیں لکھا گیا ہوگا۔ اس کی جھلک گزشتہ شمارے کے بصائر وعبر میں قارئین ملاحظہ کر چکے ہیں، جس میں قادیانی فتنے کے خلاف جمع کیے گئے ۱۰۰ جلدوں پر مشتمل ایک عظیم انسائیکلو پیڈیا کا تعارف کرایا گیا ہے۔

غلط فہمی: ❶ - بدقسمتی سے اس فتنے کی سنگینی اور حساسیت سے ناواقف لوگ آج بھی یہ سمجھتے ہیں کہ قادیانیوں کا قرآن کریم پر ایمان ہے اور صرف چند آیات کی تشریح میں ان کا مسلمانوں سے اختلاف ہے، حالانکہ یہ لاعلمی ہے اور اس خطرناک فتنے سے متعلق یہ غفلت سنگین تر ہے، اس لیے آج کی صحبت میں ان

شبہات کا جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے۔ ذیل میں جھوٹے مدعیِ نبوت مرزا غلام احمد قادیانی کی اپنی عبارات پیش کی جاتی ہیں:

۱: ''انا انزلناہ قریباً من القادیان.'' اس کی تفسیر یہ ہے کہ ''انا انزلناہ قریباً من دمشق بطرف شرقي عند المنارة البیضاء.'' کیونکہ اس عاجز کی سکونتی جگہ قادیان کے شرقی کنارہ پر ہے۔'' (تذکرہ، مجموعہ وحی والہامات، ص:۵۹، طبع چہارم)

۲: ''اس روز کشفی طور پر میں نے دیکھا کہ میرے بھائی صاحب مرحوم مرزا غلام قادر میرے قریب بیٹھ کر بآواز بلند قرآن شریف پڑھ رہے ہیں اور پڑھتے پڑھتے انھوں نے ان فقرات کو پڑھا کہ ''انا انزلناہ قریبا من القادیان'' تو میں نے سن کر بہت تعجب کیا کہ کیا قادیان کا نام بھی قرآن شریف میں لکھا ہوا ہے؟ تب انھوں نے کہا کہ یہ دیکھو، لکھا ہوا ہے۔ تب میں نے نظر ڈال کر جو دیکھا تو فی الحقیقت قرآن شریف کے دائیں صفحہ میں شاید قریب نصف کے موقع پر یہی الہامی عبارت لکھی ہوئی موجود ہے۔ تب میں نے اپنے دل میں کہا کہ ہاں واقعی طور پر قادیان کا نام قرآن شریف میں درج ہے اور میں نے کہا کہ تین شہروں کا نام اعزاز کے ساتھ قرآن شریف میں درج کیا گیا ہے: مکہ اور مدینہ اور قادیان۔''

(ازالہ اوہام، ص:۴۰، روحانی خزائن، ج:۳، ص:۱۴)

۳: ''ہم کہتے ہیں کہ قرآن کہاں موجود ہے؟ اگر قرآن موجود ہوتا تو کسی کے آنے کی کیا ضرورت تھی؟ مشکل تو یہی ہے کہ قرآن دنیا سے اٹھ گیا ہے، اسی لیے تو ضرورت پیش آئی کہ محمد رسول اللہ (مرزا قادیانی) کو بروزی طور پر دوبارہ دنیا میں مبعوث کر کے آپ پر قرآن شریف اتارا جاوے۔'' (کلمۃ الفصل، ۱۷۳، از: مرزا بشیر احمد ایم اے ابن مرزا قادیانی)

۴: ''خدا کا کلام اس قدر مجھ پر ہوا ہے کہ اگر وہ تمام لکھا جائے تو بیس جزو (سپارے) سے کم نہیں ہوگا۔'' (حقیقۃ الوحی، ص:۴۰۷۔ روحانی خزائن، ج:۲۲، ص:۴۰۷)

ان حوالہ جات کی روشنی میں واضح ہے کہ مرزا قادیانی قرآن کریم میں بدترین تحریف کا مرتکب ہوا، اس کے مذکورہ بالا تمام دعوے سفید جھوٹ ہیں، اور قادیانی جماعت مرزا غلام قادیانی پر ایمان رکھنے کی وجہ سے مسلمانوں کے موجودہ قرآن پر ایمان نہیں رکھتی، بلکہ اس کا ایمان مرزا کی ان تحریفات پر ہے، اس لیے یہ کہنا کہ قادیانیوں کا قرآن کریم پر ایمان ہے، یہ بالکل باطل بات ہے۔

نیز قرآن کریم کی کم وبیش ۱۰۰ آیاتِ کریمہ عقیدۂ ختمِ نبوت پر دلالت کرتی ہیں، حضرت علامہ

انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے ایما پر حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے ان تمام آیات کو جمع فرمایا اور ان کی تشریح وتوضیح کی۔ اس کے علاوہ ۲۰۰ سے زائد احادیثِ نبویہ اور امت مسلمہ کا پہلا اجماع بھی عقیدۂ ختم نبوت پر قطعی نصوص ہیں، اس لیے یہ سمجھنا کہ قادیانیوں کا مسلمانوں سے صرف چند آیات کی تفسیر میں اختلاف ہے، بہت بڑا فریب اور دھوکا ہے۔

....

غلط فہمی: ❷- کچھ لوگوں کو لگتا ہے کہ قادیانی مسلمانوں والا کلمہ پڑھتے ہیں اور ہماری طرح نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ ادا کرتے ہیں۔ درج ذیل حوالہ جات سے ثابت ہوگا کہ یہ شبہ کس قدر لغو ہے، کیونکہ خود مرزا قادیانی کے بقول اس کا مسلمانوں سے ایک ایک چیز میں اختلاف ہے:

۱: ''محمد رسول الله والذين معه اشداء على الكفار رحماء بينهم ''اس وحی الٰہی میں میرا نام محمد رکھا گیا اور رسول بھی۔'' (ایک غلطی کا ازالہ، ص: ۴، روحانی خزائن، ج: ۱۸، ص: ۲۰۷)

۲: ''حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ میرے کانوں میں گونج رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: یہ غلط ہے کہ دوسرے لوگوں (مسلمانوں) سے ہمارا اختلاف صرف وفاتِ مسیح یا اور چند مسائل میں ہے، آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی ذات، رسول کریم، قرآن، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، غرض کہ آپ نے تفصیل سے بتایا کہ ایک ایک چیز میں ہمیں ان سے اختلاف ہے۔'' (مرزا بشیر الدین، الفضل قادیان، ج: ۱۹ نمبر: ۱۳، مورخہ: ۳۰ جولائی ۱۹۳۱)

۳: ''اور ہم کو نئے کلمہ کی ضرورت پیش نہیں آتی، کیونکہ مسیح موعود (یعنی: مرزا قادیانی۔ ناقل) نبی کریمؐ سے کوئی الگ چیز نہیں ہے۔ ہاں اگر محمد رسول اللہ کی جگہ کوئی اور آتا تو ضرورت پیش آتی۔'' (کلمۃ الفصل، ص: ۱۵۸ از مرزا بشیر احمد ایم اے ابن مرزا قادیانی)

یعنی قادیانی، مسلمانوں والا کلمہ اس لیے پڑھتے ہیں کہ اس میں محمد رسول اللہ سے وہ مرزا قادیانی کو مراد لیتے ہیں، یہ اعتراف خود مرزا قادیانی اور اس کے بیٹے کا ہے۔ اس کے بعد یہ کہنا کہ قادیانیوں اور مسلمانوں کا کلمہ ایک ہی ہے، لچر بات ہے۔

....

غلط فہمی: ❸- ڈاکٹر جاوید احمد غامدی صاحب نے حال ہی میں کہا ہے کہ قادیانی امام کے پیچھے مسلمان نماز پڑھ سکتے ہیں۔ العیاذ باللہ! مگر وہ خود قادیانیوں ہی سے پوچھ لیتے کہ خود مرزا قادیانی کے نزدیک مسلمانوں کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے؟ ملاحظہ ہو:

۱: ’’خدا نے مجھے اطلاع دی ہے، تمہارے پر حرام ہے اور قطعی حرام ہے کہ کسی مکفر اور مکذب یا متردد کے پیچھے نماز پڑھو، بلکہ چاہیے کہ تمہارا وہی امام ہو جو تم میں سے ہو۔‘‘

(تذکرہ، مجموعہ وحی والہامات، ص:۳۱۸، طبع چہارم)

۲: ’’صبر کرو اور اپنی جماعت کے غیر (مسلمانوں) کے پیچھے نماز مت پڑھو۔‘‘

(ملفوظات، ج:۱، ص:۵۲۵، طبع جدید)

۳: ’’ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم غیر احمدیوں کو مسلمان نہ سمجھیں اور ان کے پیچھے نماز نہ پڑھیں۔‘‘

(انوارِ خلافت، ص:۹۰، از: مرزا محمود بن مرزا غلام قادیانی)

یعنی مرزا قادیانی اور اس کی ذریت تو مسلمانوں کو مسلمان تک نہیں سمجھ رہی اور نہ ان کے پیچھے نماز پڑھنا درست کہہ رہی ہے، لیکن غامدی صاحب قادیانیوں کو نماز کا امام بنانے پر مصر ہیں۔

چودھری ظفر اللہ خان سابق وزیر خارجہ پاکستان نے قائد اعظم کی نماز جنازہ میں شرکت نہیں کی۔ جب اس سے اس کی وجہ پوچھی گئی کہ آپ نے قائد اعظم کی نماز جنازہ کیوں ادا نہیں کی؟ تو اس نے کہا: آپ مجھے کافر حکومت کا مسلمان وزیر سمجھ لیں یا مسلمان حکومت کا کافر نوکر۔ (زمیندار، لاہور، ۸ فروری ۱۹۵۰ء)

اسی طرح مرزا قادیانی نے اپنے بیٹے مرزا فضل احمد کی نمازِ جنازہ اس لیے نہیں پڑھی، کیونکہ وہ اسے نبی نہیں مانتا تھا۔ (انوارِ خلافت، ص:۹۱، مرزا محمود ابن مرزا قادیانی)

قارئین اندازہ کر سکتے ہیں کہ جو قادیانی بانیِ پاکستان کا جنازہ پڑھنے کے روادار نہیں اور جنھوں نے اپنی سگی اولاد تک کا جنازہ نہ پڑھا، غامدی صاحب ان قادیانیوں کو مسلمانوں کی نماز کا امام مقرر کر کے جانے کون سا حقِ نمک ادا کرنا چاہ رہے ہیں!

....

غلط فہمی: ❹ - ایک شبہ یہ بھی پیش کیا جاتا ہے کہ قادیانیوں کو صرف پاکستان میں غیر مسلم قرار دیا گیا ہے، جب کہ باقی دنیا میں انھیں مسلمان ہی سمجھا جاتا ہے۔ ایسا بالکل نہیں ہے، کیونکہ ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو پاکستانی پارلیمان کے فیصلے سے قبل ۱۹ر نومبر ۱۹۲۰ء کو سپریم کورٹ آف ماریشس کے غیر مسلم جج نے قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا۔

۲- قیامِ پاکستان سے قبل ریاست بہاول پور کی عدالت نے ۷ر فروری ۱۹۳۵ء کو قادیانیوں کے غیر مسلم ہونے کا فیصلہ سنایا۔

۳- ۱۳۹۳ھ میں علمائے حرمین شریفین نے قادیانیوں کے غیر مسلم ہونے پر دستخط کیے۔

۴-۲۹/ اپریل ۱۹۷۳ء کو پاکستان کے زیرِ انتظام ریاست آزاد جموں وکشمیر کی اسمبلی پاکستان سے بھی قبل قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دے چکی تھی۔

۵-اپریل ۱۹۷۴ء میں رابطہ عالمِ اسلامی کے تحت ۱۴۴ مسلم ممالک نے قادیانیوں کے کفر پر متفقہ قرارداد منظور کی۔

۶-۲۲ تا ۲۸/دسمبر ۱۹۸۵ء کو مجمع الفقہ الاسلامی نے جدہ، سعودی عرب میں قادیانیوں کے غیر مسلم ہونے کی قرارداد منظور کی۔

۷-۱۹۸۷ء میں جنوبی افریقا کی عدالت کے غیر مسلم ججوں نے پاکستان کے مسلمان علماء کے دلائل سن کر قادیانیوں کے غیر مسلم ہونے کا فیصلہ کیا۔

۸-عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیرِ مرکزیہ اور ۱۹۷۴ء کی تحریک ختمِ نبوت کے قائد محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ نے ۷/ستمبر ۱۹۷۴ء کے فیصلے کے بعد جنوبی افریقا کے ان ممالک کا دورہ کیا تھا جہاں قادیانی لٹیرے غریب مسلمانوں کے ایمان کا شکار کرتے تھے، حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے ان ممالک میں باقاعدہ مجلس تحفظ ختم نبوت کی مقامی شاخیں قائم فرما کے انہیں کام کا طریق سمجھایا، جنوری ۲۰۱۵ء میں انہی ممالک میں سے ایک ملک گیمبیا میں قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا جا چکا ہے۔

یہ واقعات شاہدِ عدل ہیں کہ قادیانیوں کو پوری دنیا کے مسلمان تو غیر مسلم مانتے ہی ہیں، نیز غیر مسلموں یہود و نصاریٰ کے سامنے بھی جب قادیانیت کی حقیقت آئی تو انھیں بھی ان کو مسلمانوں سے الگ سمجھنے میں کوئی جھجک نہ ہوئی۔

قادیانیوں کے کفر پر پوری دنیا کے مسلمانوں کا اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ اس کے بعد بھی یہ سمجھنا کہ صرف پاکستان میں قادیانی غیر مسلم قرار دیے گئے ہیں، خودفریبی کے سوا کچھ نہیں۔

ہم علمائے کرام سے درخواست کریں گے کہ قادیانی فتنے سے عوام الناس کو خبردار رکھنے کے لیے اپنے بیانات میں اس مسئلے کی سنگینی کو ضرور اُجاگر کیا کریں، تاکہ سادہ مسلمان اس فتنے سے متعلق غلط فہمیوں کا شکار ہو کر انھیں مسلمانوں کے مختلف مسالک کے باہمی اختلافات پر محمول نہ کر بیٹھیں۔ اللہ تعالیٰ پوری امتِ مسلمہ کی اس فتنے سے حفاظت فرمائے اور ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوت کے تحفظ کے لیے دامے دِرمے قدَمے سُخنے کردار ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین!

’’پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے‘‘

حال ہی میں وفاقی بجٹ منظور ہوا ہے، جس پر سینیٹ میں بحث کے دوران تقریر کرتے ہوئے ہندو سینیٹر دنیش کمار نے کہا کہ قرآن شریف نے سود لینے سے منع کیا ہے، لیکن کافی سالوں سے پاکستان کا آدھا بجٹ سود کی نذر ہورہا ہے، ہم بجٹ کا ۵۰ فیصد اللہ اور رسول سے جنگ پر خرچ کررہے ہیں۔ اس دوران انہوں نے سود سے متعلق سورۃ البقرۃ کی آیات کا ترجمہ پڑھا، نیز حدیث نبوی جس میں سود لینے دینے، کھانے کھلانے، اس پر گواہ بننے والے اور لکھنے والے کو جہنمی قرار دیا گیا ہے، کا بھی حوالہ دیا۔

افسوس کا مقام ہے کہ پاکستان اپنے قیام کے اول روز سے سود کی لعنت میں جکڑا ہوا ہے، علمائے کرام اور دینی سیاسی جماعتوں کی طرف سے بار بار اس سے چھٹکارا دلانے کی طرف توجہ دلائی گئی، وفاقی شرعی عدالت نے سود کے خلاف فیصلہ دیا تو اس وقت کی حکومت نے اس کے خلاف عدالتِ عظمیٰ میں اپیل دائر کرکے حکمِ امتناعی لے لیا، موجودہ حکومت نے ۲۰۲۸ء تک سود کے خاتمے کا وعدہ کررکھا ہے، مگر اب تک اس حوالے سے کوئی خاطر خواہ اقدام سامنے نہیں آیا۔

اب نوبت بایں جا رسید کہ غیرمسلم لیڈر سود کے خلاف تقریر کرکے مسلمانوں کے ایمانوں کو جھنجھوڑ رہے ہیں۔ دنیش کمار کی مذکورہ بالا تقریر کے دوران سینیٹ کے ایک ممبر نے انہیں اسلام قبول کرنے کا مشورہ دے دیا تو سینیٹر صاحب نے جواب دیا کہ جنہوں نے اسلام قبول کیا ہوا ہے اور جو مسلمان ہیں، ان کے افعال ایسے ہیں تو میں کیسے اسلام قبول کروں؟

گویا ’’عذرِ گناہ بدتر از گناہ‘‘ کے مصداق جب ایک غیرمسلم نے سود کے خلاف بات کی تو اس سے عبرت لینے کی بجائے اُلٹا اسے شرمندہ کرنے کی کوشش کی گئی۔ گویا ہم مسلمانوں کا یہ کردار ہمارے لیے سوالیہ نشان اور المیہ بن چکا ہے کہ ہم اپنے افعال و اعمال سے کتنے غیرمسلموں کی اسلام سے دوری کا سبب بنے ہوئے ہیں۔

اس سے قبل غیرمسلم اراکینِ اسمبلی کی جانب سے شراب پر مکمل پابندی کا مطالبہ بھی سامنے آچکا ہے اور مبینہ طور پر یہ کہا گیا تھا کہ غیرمسلموں کے نام پر شراب پرمٹ مسلمانوں کو جاری کردیے جاتے ہیں، حالانکہ خود ان کے مذہب میں بھی شراب پینا منع ہے۔

بہرحال! ’’پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے‘‘ کے مصداق ہماری حکومت کو اس واقعہ سے سبق لیتے ہوئے فوری طور پر سود پر پابندی اور شراب کی مکمل ممانعت کی قانون سازی کرنی چاہیے۔

اسی طرح قومی اسمبلی سے پاس کردہ قوانین کا حال دیکھیے کہ حال ہی میں وزارتِ سائنس و ٹیکنالوجی کی طرف سے ایک بل پیش کیا گیا جس میں کئی ایسی مبہم چیزیں ہیں جو آئین، قانون اور حقوقِ ملکیت کے خلاف اور متنازعہ ہیں، انہیں بھی آنکھیں بند کر کے منظور کرلیا گیا اور سینیٹ میں جا کر اس کا عقدہ کھلا۔ یہ ہے ہمارے اراکینِ اسمبلی کی استعداد اور بلوں کو پاس کرنے کی اہلیت۔ عوام الناس کو چاہیے کہ ایسے لوگ اسمبلیوں میں بھیجیں جو اللہ سے ڈرنے والے ہوں اور قومی مفاد اور عوام الناس کی سہولتوں کو سامنے رکھ کر قوانین بنائیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کا حامی وناصر ہو۔

وصلّی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقہٖ سیّدنا محمّد وعلٰی اٰلہٖ وصحبہٖ أجمعین

.....✽.....✽.....✽.....

مکاتیب بنام حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ

از حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر رحمۃ اللہ علیہ
انتخاب: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر رحمۃ اللہ علیہ بنام حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ

قاہرہ

بروز منگل

۲۲/ربیع الثانی ۱۳۹۱ھ

۱۵/۶/۱۹۷۱ء

سیدي ومولاي أدامکم اللہ بالصحة والعافية!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آپ کا والا نامہ باعثِ شرف ہوا، آنکھوں کی ٹھنڈک اور اطمینانِ قلب کا سبب بنا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ مدرسہ (آپ کی مشفقانہ وکریمانہ تعبیر کے مطابق: ہمارا مدرسہ) علمی وروحانی اعتبار سے آگے بڑھ رہا ہے، اور الحمدللہ اہلِ علم واہلِ قلوب کا مرکز بن چکا ہے، یہ اللہ کا فضل اور اس کے مؤسّس حفظہ اللہ کے اخلاص کی برکت ہے۔ مسرت ہوئی کہ عارف باللہ شیخ عبدالعزیز (رائے پوری) حفظہ اللہ (۱) مدرسہ میں تشریف لائے اور کئی اساتذہ ان سے بیعت ہوئے، اللہ تعالیٰ ایسے حضرات کو بڑھائے، ان کے اور میرے علم، روحانیت اور اخلاق میں اضافہ فرمائے؛ تاکہ مدرسہ منبعِ علوم ومعارف بن جائے۔

سيدي! ناقص کتابوں کی فہرستیں ''المجلس الأعلى للشؤون الإسلامية''[۲] کو پیش کردی ہیں؛ تاکہ انہیں اشاعت کے وقت بقیہ اَجزاء ارسال کرنے میں سہولت ہو، اور انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ جب طباعت ہوگی تو ان شاء اللہ بھیج دیں گے۔

آپ نے مجلس (المجلس الأعلیٰ) اور دار التصنیف (جامعہ) میں معاہدے کے بارے میں دریافت فرمایا تھا اور کیا مجلس سے مصحف کے متعلق کچھ چھپا ہے یا نہیں؟ ان کا کہنا ہے کہ (اس موضوع پر) مجلس سے کچھ نہیں چھپا، لیکن آپ دار التصنیف کو لکھ دیجیے کہ ہم اپنے معاہدے پر قائم ہیں، جب دار التصنیف طباعت کے لیے کوئی کتاب بھیجے گا (خط میں اس کی صراحت ہونی چاہیے) تو ہم وہ کتاب نگران کمیٹی (لجنة الإشراف) کو پیش کریں گے اور کمیٹی کی موافقت کے بعد اسے شائع کریں گے، اور دار التصنیف کو بھی (نسخوں کی) مطلوبہ تعداد بھیج دیں گے۔

رہا سندوں اور مناہج (نصابات) کے معادلہ کا مسئلہ تو یہ کام آئندہ ماہ مکمل ہوجائے گا، ان شاء اللہ! اسی ماہ پورا ہوجاتا، لیکن جامعہ ازہر میں سالانہ امتحانات شروع ہوگئے، کمیٹی کے ممبران امتحانات کی نگرانی میں مشغول ہوگئے، اور مجلسِ مشاورت امتحانات کے بعد تک مؤخر ہوگئی۔

میں نے متعدد موضوعات پر ڈاکٹریٹ کے مقالات کا مطالعہ شروع کردیا ہے، تاکہ اسلوب پہچان لوں، اور موضوع کی خُطہ سازی میں استفادہ کروں۔ نیز ازہر کے مشائخ سے ملاقات کی کوشش کررہا ہوں، لیکن یہ حضرات ان دنوں ملکی دستور کے مسئلہ میں مصروف ہیں، خاص طور پر ان کے الفاظ کے مطابق ''اخلاقیات'' میں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ انہیں اس کام کی توفیق بخشے جس میں دنیا وآخرت کی خیر ہو۔

پچھلے دنوں قاہرہ میں جو واقعہ پیش آیا، اس کی حقیقت وہی ہے جو (مصر کے) صدر صاحب نے بیان کی اور اخبارات نے شائع کی ہے۔ تخریبی خیالات کے حامل ایک گروہ نے حکومت پر قبضہ کی خفیہ سازش کی تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کے ساتھ خیر کا معاملہ فرمایا، اور ان کی سازش اور عزائم کی حقیقت قبل از وقت کھول دی، ان لوگوں کو گرفتار کرلیا گیا، اب کیس دائر ہوچکا ہے، قوم نے بھی سکھ کا سانس لیا، گویا ان کے پاؤں کی بیڑیاں کھل گئیں؛ کیونکہ ان لوگوں نے قوم کی آزادی سلب کررکھی تھی، ان کے متعلق من مانے اقدامات کرتے تھے، گویا صدر صاحب کے الفاظ میں: ریاست میں ایک دوسری ریاست تھی۔ ان صدر صاحب کو ہم مخلص مومن اور بہی خواہ سمجھتے ہیں، اور ان سے بہت اُمیدیں ہیں، اللہ تعالیٰ سے ان کی توفیق ودرستی کے لیے دعا گو ہیں۔

شیخ عبد المنعم[۳] کو آپ کی کتاب ''نفحة العنبر'' پہنچ گئی ہے، وہ آپ کا بہت شکریہ ادا کر

رہے تھے، اور شکریہ میں تاخیر پر معذرت خواہ تھے۔ جب سے وہ سفر پر گئے بیمار رہے، کراچی میں بھی علیل تھے، کافی عرصہ بعد ادارے میں تشریف لائے، اب بھی بیمار ہیں۔ انہوں نے مولانا ابوالکلام آزاد کی تفسیر میں ''اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ ھَادُوْا الآیۃ'' (البقرۃ: ۶۲) اور دیگر متعدد آیات مثلاً ''لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِہٖ ...'' (البقرۃ: ۲۸۵) کا تقابلی مطالعہ کیا، لیکن (اس تناظر میں) مولانا آزاد پر آپ کی تنقید سمجھ نہیں پائے۔ اگر میں بھول نہیں رہا تو شاید آپ نے ایک بار ذکر کیا تھا کہ آپ کے اور مولانا آزاد کے درمیان علمی مسائل میں مراسلت ہوئی تھی، اگر آپ از راہِ کرم اس کا حاصل بتادیں تو یہ بحث زیادہ واضح ہوجائے گی۔ (۴)

ڈاکٹر محمد توفیق عویضہ (۵) اور مجلس میں ان کے رفقاء آپ کو انتہائی تعظیم اور قدردانی کے ساتھ دلی سلام پیش کررہے ہیں، مجھے ان کی جانب سے کامل توجہ اور راحت حاصل ہے، کاش کہ ازہر کی منتظمہ بھی مجلس کی انتظامیہ کی مانند ہوتی۔

لندن سے سید عبد المعید کا خط موصول ہوا ہے، وہ نائیجریا سے سفر پر نکل چکے ہیں، اس وقت اندلس (اسپین) سے گزر رہے ہیں، (اندلس میں مسلمانوں کے) ان آثار کے مشاہدے سے پہلے بھی اور بعد میں بھی اقبال کے اشعار دہرارہے تھے۔ اب وہ بعض یورپی ممالک کی سیاحت کررہے ہیں، پھر سعودیہ وعراق کے راستے پاکستان لوٹیں گے، اور شاید جدہ جاتے ہوئے قاہرہ سے ان کا گزر ہوگا۔

ٹکٹ کی رقم پیش کرنے میں کوتاہی پر معذرت خواہ ہوں، مجھ سے غلطی ہوئی، نہ معلوم کیسے ہوگئی، جبکہ میں آپ کی کریمانہ توجہات میں ڈوبا ہوا ہوں! وجہ یہ ہوئی کہ قاہرہ میں آپ کی بابرکت موجودگی کے دنوں میں کاغذات کو اچھی طرح نہ دیکھا، آپ کی روانگی کے بعد جب دیکھا تو افسوس ہوا اور اپنی کوتاہی پر حتیٰ کہ آپ کا شکریہ بھی ادا نہ کرنے پر شرمندگی ہوئی۔ بہرحال آپ کے کریمانہ اخلاق کی بنا پر درگزر کی اُمید ہے، آپ نے ہمیشہ سے ہمیں بھی اسی رویہ کا عادی بنایا ہے، اور عفو و درگزر تو شرفاء کا شیوہ ہے،، جزاکم اللہ عني کل خیر۔ وطن میں خاندان اور اہلِ خانہ بھی آپ کے شکرگزار ہیں، دلوں کی گہرائی سے آپ کے لیے دعاگو ہیں، اور انتہائی احترام سے آپ کی خدمت میں سلام کہتے ہیں۔

محترم آغا جی (مولانا محمد زکریا بنوری رحمۃ اللہ علیہ) کو میرا سلام اور دعاؤں کی درخواست! اساتذہ کرام، بھائی محمد سلّمہ اور مولانا محمد طاسین کو بھی سلام، حاجی داود و حاجی عبد المجید صاحبان کو دلی سلام اور ان کے بچوں کی شادی پر قلبی مبارک باد۔ عارف باللہ شیخ عبد العزیز مدرسہ میں موجود ہوں تو ان کی خدمت میں سلام اور دعاؤں کی درخواست۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ!

آپ کی دعاؤں کا طلب گار

عبدالرزاق

نوٹ: یہ خط عربی سے اردو میں منتقل کیا گیا ہے۔

حواشی

۱-حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے حقیقی نواسے اور خانقاہ رائے پور کے تیسرے مسند نشین تھے، ان کی ولادت ۱۰/ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۳ھ مطابق ۱۶/ جولائی ۱۹۰۵ء بروز جمعہ کو ہوئی۔ مظاہرِ علوم سہارن پور میں تعلیم پائی، ۱۹۲۴ء میں تعلیم سے فراغت حاصل کی۔ حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ میں سے ہیں۔ اونچی خاندانی نسبت کے باوجود نصف صدی کے لگ بھگ حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے خادم کی حیثیت سے خانقاہ کے اُمور انجام دیتے رہے۔ اور حضرت کے وصال (۱۹۶۲ء) کے بعد خانقاہ کا نظم سنبھالا، تیس برس تک مسند نشیں رہے۔ علمی وفکری اعتبار سے اکابرِ دیو بند کے منہج پر گامزن تھے۔ والد ماجد حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ گہرے مراسم تھے اور اس تعلق کے ناطے جامعہ میں ان کی آمد ورفت اور قیام کا سلسلہ رہا۔ ۳/ جون ۱۹۹۲ء کو سفرِ آخرت پر روانہ ہوئے، اور رائے پور میں اپنے نانا حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے پہلو میں تدفین عمل میں آئی۔ دیکھیے: بزرگانِ رائے پور از مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی، شعبہ نشر واشاعت مدرسہ فیض ہدایت، رائے پور، ضلع سہارن پور، انڈیا۔

۲-مصر کی وزارتِ اوقاف کے تابع ایک علمی وتحقیقی ادارہ۔

۳- جامعہ ازہر کے سابق استاذ اور ''مرکز الدراسات الإسلامیۃ'' (جامعہ ازہر) کے سابق رئیس، حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے محبت کا تعلق رکھتے تھے۔ ۱۶/ اگست ۲۰۱۶ء کو ۸۴ برس کی عمر میں راہیِ سفرِ آخرت ہوئے۔

۴- والد ماجد حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''یتیمۃ البیان في شيء من علوم القرآن'' میں مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کی تفسیر پر علمی نقد کیا گیا ہے، اسی جانب اشارہ ہے، تفصیل کے لیے اصل کتاب ''یتیمۃ البیان'' (شائع شدہ از مجلس دعوت و تحقیق) یا اس کا اردو ترجمہ ''اصولِ تفسیر وعلومِ قرآن'' (شائع شدہ از مکتبہ بینات) ملاحظہ فرمایئے۔

۵-''المجلس الأعلی للشؤون الإسلامیۃ'' (مصر) کے بانی، مصر کے سابق وزیرِ مملکت، اور متعدد اداروں میں مختلف مناصب پر فائز رہے۔ ۳/ ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ مطابق ۲۳/ جنوری ۲۰۱۵ء کو وفات پائی۔

انسانی علم اور مشورہ و استخارہ

مولانا عبدالمتین
کراچی

انسان اپنی محدود عقل، ناقص فہم اور مختصر تجربہ اور مشاہدے کے ساتھ زندگی کے پیچیدہ راستوں میں قدم رکھتا ہے۔ کبھی اسے کسی فیصلے میں خیر نظر آتی ہے، مگر انجام نقصان دہ نکلتا ہے، اور کبھی کسی چیز کو ناپسند کرتا ہے، مگر بعد میں معلوم ہوتا ہے کہ اسی میں بھلائی پوشیدہ تھی۔ انسان کا علم محدود جبکہ اللہ تعالیٰ کا علم کامل ہے، وہ ماضی، حال اور مستقبل کا جاننے والا، ظاہر و باطن کا واقف اور خیر و شر کے تمام پہلوؤں سے باخبر ہے۔ اسی حقیقت کو قرآن کریم میں نہایت بلیغ انداز میں بیان کیا گیا ہے:

’’وَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسٰى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّ هُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ‘‘

’’ممکن ہے تم کسی چیز کو ناپسند کرو، حالانکہ وہ تمہارے حق میں بہتر ہو، اور یہ بھی ممکن ہے تم کسی چیز کو پسند کرو، حالانکہ وہ تمہارے حق میں نقصان دہ ہو، اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔‘‘

(سورۃ البقرۃ:۲۱۶)

یہ آیت انسان کی بے بسی اور اللہ تعالیٰ کی حکمتِ کاملہ کو واضح کرتی ہے۔

استخارہ اور استشارہ

اسی لیے شریعت نے بڑے فیصلوں میں دو عظیم سنتیں عطا فرمائیں:

❶- استشارہ (مشورہ)

❷- استخارہ (اللہ تعالیٰ سے خیر طلب کرنا)

ایک کا تعلق اسبابِ ظاہری اور زمینی دنیا سے ہے اور دوسرے کا تعلق ربِّ کریم کی بارگاہ سے ہے۔

استشارہ کیا ہے؟

''استشارہ'' کا مطلب ہے: اہلِ علم، اہلِ تجربہ اور مخلص لوگوں سے مشورہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''وَاَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰى بَيۡنَهُمۡ '' (سورۃ الشوریٰ:۳۸)

''اوران کے معاملات آپس کے مشورے سے طے ہوتے ہیں۔''

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کو بھی حکم دیا گیا:

''وَشَاوِرۡهُمۡ فِى الۡاَمۡرِ '' (سورۃ آل عمران:۱۵۹)

''اور معاملات میں ان (صحابہؓ) سے مشورہ کیجیے۔''

حالانکہ آپ ﷺ وحی کے سائے میں تھے، اس کے باوجود مشورہ فرماتے تھے، تاکہ امت کو تعلیم ملے کہ اجتماعی اور اہم معاملات میں رائے لینا کوئی عیب کی بات نہیں ہے، بلکہ ہماری انفرادی اور معاشرتی ضرورت ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں مشورے کی اہمیت

نبی کریم ﷺ کی مبارک زندگی مشورے کے عملی نمونوں سے بھری ہوئی ہے، مثلاً: صلح حدیبیہ کے موقع پر آپ علیہ السلام کا حضرت اُمّ سلمہؓ سے مشورہ لینا، چنانچہ سن ۶ ہجری میں جب مسلمان عمرہ کی نیت سے مکہ روانہ ہوئے تو کفارِ مکہ نے حدیبیہ کے مقام پر روک دیا۔ طویل گفت وشنید کے بعد صلح حدیبیہ کا معاہدہ طے پایا۔ معاہدے کے مطابق مسلمانوں کو اسی سال واپس جانا تھا۔

صحابۂ کرامؓ جذباتی کیفیت میں تھے، وہ عمرہ کی اُمید سے آئے تھے، اس لیے واپسی ان پر گراں گزر رہی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ کو فرمایا کہ احرام کھول دیں اور قربانی کرلیں، مگر غم اور جذبات کی کیفیت سے صحابہؓ خاموش رہے، نبی کریم ﷺ اپنے خیمے میں تشریف لائے اور اپنی زوجۂ مطہرہ حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے اس حوالے سے مشورہ فرمایا کہ کیا کیا جائے؟ انہوں نے عرض کیا کہ: ''یارسول اللہ! آپ خود باہر جاکر قربانی فرما دیں اور سر منڈوا لیں، صحابہؓ آپ کو دیکھ کر خود آپ کی اتباع کرلیں گے۔'' رسول اللہ ﷺ نے اسی مشورے پر عمل فرمایا اور دیکھتے ہی دیکھتے صحابہؓ نے بھی یہی عمل دہرایا جس سے فوری طور پر معاملہ آسان ہوگیا۔ (صحيح البخاري، كتاب الشروط)

اس واقعے سے معلوم ہوا کہ:

❶- عورت اگر صاحبِ رائے اور مشاورت کی اہلیت رکھتی ہو تو اس سے بھی مشورہ لیا جاسکتا ہے۔

❷- مشورہ عمر کا محتاج نہیں، قابلیت کا محتاج ہے۔

❸- مشکل حالات میں اہلِ بصیرت سے رائے لینا سنت عمل ہے۔

❹- مشورہ کسی خیرخواہ اور مخلص بندہ سے لینا چاہیے جو دل میں آپ کے لیے نیک جذبات رکھتا ہو۔

کن لوگوں سے مشورہ کرنا چاہیے؟

ہر شخص مشورے کے قابل نہیں ہوتا۔ شریعت نے مشاورت کے کچھ اصول سمجھائے ہیں:

اہلِ علم وتجربہ سے مشورہ کرنا

جس شعبے کا مسئلہ ہو، اسی کے ماہر سے مشورہ کیا جائے، مثلاً:

①- دینی وشرعی مسئلہ علماء ومفتیان سے۔

②- کاروباری مسئلہ تجربہ کار کاروباری سے۔

③- طبی مسئلہ ماہر ڈاکٹر اور معالج سے کیا جائے۔

دورِ حاضر کا بڑا مسئلہ

یہ عقل اور شریعت دونوں کا تقاضا ہے کہ جب انجینئر شریعت سمجھائے، عالم کاروبار کے گر بتائے، ڈاکٹر، فنکار اور یوٹیوبر بن جائے تو یہ سب مشورے کے اہل نہیں ہوتے، بلکہ انسانی نظامِ زندگی کو ہی متاثر کر دیتے ہیں۔

مشورہ دینے والے کا امانت دار اور خیرخواہ ہونا

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’اَلْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ‘‘ (سنن ترمذی، حدیث: ۲۸۲۲)

’’جس سے مشورہ لیا جائے وہ امانت دار ہوتا ہے۔‘‘

یعنی مشورہ دینے والے پر دو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں:

①- خلوص وہمدردی کے ساتھ درست مشورہ دینا

②- مشورہ کو راز رکھنا

اگر کوئی شخص رشتے، کاروبار یا کسی بھی حساس معاملہ کے بارے میں پوچھے تو حقیقت چھپانا

درست نہیں، جو علم میں ہے بتانا چاہیے، جو علم میں نہیں ہے تب بھی واضح کر دینا چاہیے، ٹال مٹول سے کام لینا مسلمان کو زیب نہیں دیتا۔ علماء یہاں تک بتاتے ہیں کہ مشورے کے دوران غیبت کرنا بھی جائز ہے، مثلاً کوئی کسی سے کاروبار یا رشتہ کرنا چاہ رہا ہے اور آپ جانتے ہیں کہ وہ فراڈی ہے یا شرابی ہے تو اس بات کو مشورے میں رازدارانہ انداز سے بیان کر دینا غیبت نہیں ہے، بلکہ خیر خواہی ہے اور اس بات کو دوستی یاری یا بلا وجہ اچھا بننے کے چکر میں چھپا دینا خیانت ہے، کیونکہ مشورہ امانت ہے اور امانت میں رازداری اور دیانت داری دونوں کا لحاظ کرنا ضروری ہوتا ہے۔

مشورہ حکم ہوتا ہے؟

نہیں، مشورہ حکم نہیں ہوتا بلکہ مشورہ مشورہ ہی ہوتا ہے، جس پر عمل کرنا نہ کرنا مشورہ لینے والے کی اپنی مرضی ہے، ضروری نہیں کہ وہ مشورہ دینے والے کی بات لازمی مان لے، کیونکہ مشورہ دینے والے نے فقط خیر خواہی میں مشورہ دیا ہے اور اپنی ہمدردی کا اظہار کیا ہے، جج بن کر آرڈر نہیں دیا کہ اس کا حکم ہر حال میں نافذ کیا جائے۔

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے شوہر حضرت مغیث رضی اللہ عنہ اپنی اہلیہ سے شدید محبت کرتے تھے، مگر حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا ان کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

''اگر تم اپنے شوہر کے پاس واپس چلی جاؤ تو بہتر ہے۔'' حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: ''اَتَاْمُرُنِيْ يَا رَسُوْلَ اللهِ؟''، ''یا رسول اللہ! کیا یہ حکم ہے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''إِنَّمَا أَنَا شَافِعٌ''، ''نہیں، میں تو صرف سفارش/مشورہ دے رہا ہوں۔'' اس پر حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: ''پھر مجھے اس کی ضرورت نہیں۔'' (صحيح البخاري)

آپ علیہ السلام کا حکیمانہ ردعمل

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ جواب سن کر ناراض نہیں ہوئے، کیونکہ آپ علیہ السلام جانتے تھے کہ یہ بالغ لڑکی ہے اور بالغ لڑکی کسی کے ساتھ رہنا پسند کرے نہ کرے، یہ اس کی اپنی زندگی اور مرضی کا فیصلہ ہوا کرتا ہے، اس پر کوئی بھی شخص یہاں تک کہ اس کے والدین بھی زبردستی نہیں کر سکتے۔ یہاں سے معلوم ہوا:

① - مشورہ ماننا لازم نہیں۔

②-اختلافِ رائے پر ناراض نہیں ہونا چاہیے۔

③-مشورہ خیرخواہی ہے، جبر اور عدالتی فیصلہ نہیں ہے۔

مشورہ کی اہلیت جانچنے کا عجیب تجربہ

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ: اگر کسی مجلس میں سب سے مشورہ لیا جائے اور آخر میں پتہ چلے کہ سب کی ایک ہی رائے ہے تو مفتی صاحبؒ فرماتے تھے کہ اس کے دو مطلب نکل سکتے ہیں:

۱-ایک تو یہ کہ مجلس میں موجود تمام افراد نااہل اور نالائق ہیں، ان میں رائے دینے کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔

۲-دوسرا یہ کہ اگر وہ اہلیت رکھتے ہیں تو پھر سب کے سب خائن ہیں اور خیانت کر رہے ہیں اور کسی کے جبر، خوف، بزدلی یا ڈر کی وجہ سے اپنی رائے پیش نہیں کر رہے۔ (مجالس مفتی اعظمؒ)

اسی لیے فرمایا کہ مشورہ کوئی معمولی عمل نہیں ہے، اس کے لیے بہت سی صفات کا حامل ہونا ضروری ہے، جن میں بہادری، اہلیت و قابلیت، تجربہ کاری، خیرخواہی، امانت داری، صاف گوئی اور رازداری جیسی اہم صفات شامل ہیں۔

استخارہ کا مطلب؟

''استخارۃ'' عربی لفظ ''خَیْر'' سے نکلا ہے، جس کا آسان مطلب ہے: ''اللہ تعالیٰ سے خیر طلب کرنا۔''

استخارہ کی ضرورت کیوں پیش آتی ہے؟

استخارہ میں انسان اپنے علم، طاقت، اختیار اور تدبیر کی کمزوری کا اعتراف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرتا ہے کہ:

''اے اللہ! میرے لیے جو بہتر ہو وہی مقدر فرما۔''

کیونکہ میں نہیں جانتا کہ میرے لیے دین و دنیا اور آخرت کے اعتبار سے بہتر کیا ہے، میرا علم، تجربہ، طاقت، اختیار اور سوچ سب محدود ہیں، یہ سب مجھے حقیقت تک نہیں پہنچا سکتے، اسی لیے میں اپنی محتاجی کا اظہار زمین والوں سے مشورہ کر کے اور آسمان والے سے استخارہ کی صورت میں کر رہا ہوں۔

استخارہ کی اہمیت

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُعَلِّمُنَا الِاسْتِخَارَةَ فِي الْأُمُورِ كُلِّهَا كَمَا يُعَلِّمُنَا السُّوْرَةَ مِنَ الْقُرْاٰنِ.'' (صحیح البخاری، حدیث:۱۱۶۶)

''رسول اللہ ﷺ ہمیں تمام معاملات میں استخارہ اس طرح سکھاتے تھے جیسے قرآن کی سورت سکھاتے تھے۔''

استخارہ کا مسنون طریقہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''إِذَا هَمَّ اَحَدُكُمْ بِالْأَمْرِ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ مِنْ غَيْرِ الْفَرِيْضَةِ.'' (صحیح البخاری)

''جب تم میں سے کوئی کسی اہم کام کا ارادہ کرے تو فرض کے علاوہ دو رکعت نماز (نفل) پڑھے۔''

پھر یہ دعا پڑھے:

''اللّٰهُمَّ إِنِّيْ اَسْتَخِيْرُكَ بِعِلْمِكَ، وَاَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ، وَاَسْاَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيْمِ، فَإِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ، وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ، وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ، اللّٰهُمَّ إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْأَمْرَ (یہاں اپنے کام کا نام لے) خَيْرٌ لِيْ فِيْ دِيْنِيْ، وَمَعَاشِيْ، وَعَاقِبَةِ اَمْرِيْ – اَوْ قَالَ: عَاجِلِ اَمْرِيْ وَاٰجِلِهٖ – فَاقْدُرْهُ لِيْ، وَيَسِّرْهُ لِيْ، ثُمَّ بَارِكْ لِيْ فِيْهِ، وَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْأَمْرَ شَرٌّ لِيْ فِيْ دِيْنِيْ، وَمَعَاشِيْ، وَعَاقِبَةِ اَمْرِيْ – اَوْ قَالَ: عَاجِلِ اَمْرِيْ وَاٰجِلِهٖ – فَاصْرِفْهُ عَنِّيْ، وَاصْرِفْنِيْ عَنْهُ، وَاقْدُرْ لِيَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ، ثُمَّ اَرْضِنِيْ بِهٖ.'' (صحیح بخاری)

اردو ترجمہ

''اے اللہ! میں تیرے علم کے ذریعے تجھ سے خیر مانگتا ہوں، اور تیری قدرت کے ذریعے طاقت چاہتا ہوں، اور تجھ سے تیرے عظیم فضل کا سوال کرتا ہوں، کیونکہ تو قدرت رکھتا ہے اور میں قدرت نہیں رکھتا، تو جانتا ہے اور میں نہیں جانتا، اور تو تمام غیبوں کا خوب جاننے والا ہے۔

اے اللہ! اگرتو جانتا ہے کہ یہ کام (یہاں اپنے کام کا نام لے) میرے دین، میری دنیا (معاش)، اور میرے انجام کے اعتبار سے یا فرمایا: میرے موجودہ اور آئندہ معاملے کے لحاظ سے میرے لیے بہتر ہے تو اسے میرے لیے مقدر فرما، اسے میرے لیے آسان فرما، پھر اس میں میرے لیے برکت عطا فرما۔

اور اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام میرے دین، میری دنیا (معاش)، اور میرے انجام کے اعتبار سے یا فرمایا: میرے موجودہ اور آئندہ معاملے کے لحاظ سے میرے لیے برا ہے تو اسے مجھ سے دور کردے اور مجھے اس سے دور کردے، اور میرے لیے خیر مقدر فرما جہاں بھی ہو، پھر مجھے اس پر راضی کردے۔‘‘

استخارہ: آسان دعا اور آسان نماز

دو رکعت نفل نماز (سوائے مکروہ اوقات کے) پڑھ کر سلام پھیرنے کے بعد یہ دعا مانگی جائے، جس کام کے لیے استخارہ کرنا ہو، دعا میں ’’هٰذَا الْأَمْرَ‘‘ کے مقام پر اس کام یا شخص کا نام لے یا تصور کرے۔

استخارہ کا مقصد

استخارہ کوئی جادوئی یا عملیات قسم کا عمل نہیں ہے، بلکہ استخارہ میں تو انسان اپنی عاجزی کا اعتراف کرتا ہے، اللہ کے علم پر اعتماد کرتا ہے، اللہ سے خیر مانگتا ہے، شر سے حفاظت طلب کرتا ہے اور بس دعا مانگتا ہے۔

استخارہ کے بعد خواب یا نشانی آنا ضروری ہے؟

یہ ایک عام غلط فہمی ہے، کیونکہ استخارہ کے لیے خواب آنا شرط نہیں، بلکہ معاملات کا آسان ہوجانا، دل کا مطمئن ہوجانا، اللہ کی طرف سے رہنمائی کا مل جانا، غلطیوں اور دھوکہ سے محفوظ رہنا، حالات و واقعات کا شعور پیدا ہونا، صحیح غلط کی صلاحیت اور پہچان کا پیدا ہونا اور پھر اسباب کا انتظام ہوجانا وغیرہ، یہ استخارہ کا مقصد ہے۔

دعا کے بعد خواب: ایک عجیب آرزو

استخارہ ایک دعا ہے اور دعا مانگ کر خواب کا انتظار کرنا اور لال، کالے اور پیلے رنگوں کا انتظار

کرنا یہ سب ڈھونگ اور فریب ہے۔

ایک سے زیادہ مرتبہ استخارہ

اگر ایک مرتبہ استخارہ کرنے سے اطمینان نہ ہو تو دوبارہ بھی استخارہ کیا جاسکتا ہے اور زیادہ سے زیادہ سات مرتبہ تک کیا جاسکتا ہے اور اس طرح ایک دن میں ایک سے زائد مرتبہ بھی ہوسکتا ہے اور الگ الگ دنوں میں بھی ہوسکتا ہے۔

دوسروں سے استخارہ نکلوانا

استخارہ ایک دعا ہے اور دعا اپنے لیے جو خود کی جاسکتی ہے وہ کوئی دوسرا آپ کے لیے کبھی نہیں کرسکتا۔ جو آہ، تڑپ، دلسوزی، خشوع، گریہ اور درد ہم خود محسوس کرسکتے ہیں' کوئی دوسرا قیامت تک ہمارے لیے ایسا جذبہ پیدا نہیں کرسکتا۔ بقول اقبالؒ:

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے

خاص کر بعض لوگ جو پیسے لے کر استخارہ نکلوانے کا دھندا کرتے ہیں، ایسے لوگوں کے ہاتھوں کا شکار ہمیشہ دین سے نابلد اور جاہل عوام ہی ہوتی ہے اور پھر بعد میں پورے مذہبی طبقے کو ان حرکتوں کے طعنے برداشت کرنے پڑتے ہیں۔

استخارہ کی مختصر سی دعا

بعض اوقات ضرورت اور ایمرجنسی کے موقع پر یہ مختصر سی دعا بھی استخارہ کے لیے لیٹے، بیٹھے، چلتے پھرتے پڑھ سکتے ہیں:

''اَللّٰھُمَّ خِرْلِيْ وَاخْتَرْلِيْ.''

''اے اللہ! میرے لیے خیر کا فیصلہ فرما اور میرے لیے بہترین انتخاب کردے۔''

استخارہ اور استشارہ کا باہمی تعلق

بعض لوگ صرف استخارہ کرتے ہیں مگر مشورہ نہیں لیتے، اور بعض صرف لوگوں سے پوچھتے ہیں، مگر اللہ سے رجوع نہیں کرتے، جبکہ سنت یہ ہے کہ:

پہلے استشارہ، پھر استخارہ، پھر توکل علی اللہ۔

استخارہ اور استشارہ کے دنیوی فوائد

اس بات میں ذرہ برابر شک نہیں کہ جو ان دو اعمال کے بعد کوئی نیا قدم اُٹھاتے ہیں تو وہ کبھی بھی پچھتاوے، دھوکے اور شرمندگی کا شکار نہیں ہوتے، بلکہ اللہ ان کی ضرور مدد کرتا ہے اور یہ اعمال کر کے اپنی کھلی آنکھوں سے تجربہ کر کے دیکھ سکتے ہیں، ان شاء اللہ۔

خلاصہ

❶- اہل لوگوں سے مشورہ
❷- اللہ سے خیر طلب کرنا
❸- پھر اعتماد کے ساتھ قدم اٹھانا

زندگی کے راستے ہمیشہ واضح نہیں ہوتے۔ کبھی رشتے، کبھی تعلیم، کبھی کاروبار، کبھی رہائش، کبھی ملازمت اور کبھی زندگی کے بڑے فیصلے انسان کو شک اور تذبذب میں ڈال دیتے ہیں۔

ایسے وقت میں مؤمن کی شان یہ ہے کہ وہ اپنی عقل پر غرور نہ کرے، بلکہ اہلِ خیر سے مشورہ لے، اللہ سے استخارہ کرے اور بالآخر نتائج اللہ کے سپرد کردے، کیونکہ ''وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ''، ''اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔'' اور اللہ تمہیں کبھی بھی گرنے نہیں دے گا، ان شاء اللہ۔

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

علم کی گمشدہ کڑیاں

مغرب کی تقلید اور روشنی کے وارث

مولانا سفیان علی فاروقی
لاہور

آج کے ترقی یافتہ دور میں اگر کسی اسکول، کالج اور یونیورسٹی کے طالب علم سے یہ سوال پوچھا جائے کہ ’’جدید سائنس اور ٹیکنالوجی کا بانی کون ہے؟‘‘ تو اس کا جواب بغیر کسی تاخیر کے نیوٹن، گلیلیو، آئن سٹائن یا ایڈیسن ہوگا۔

ہماری نئی نسل کے ذہنوں میں یہ فکری خاکہ اس قدر گہرا کر دیا گیا ہے کہ علم، تحقیق اور سائنس محض مغرب کی جاگیر ہیں۔ ہمیں دانستہ یا نادانستہ طور پر یہ باور کروایا گیا ہے کہ مسلمان صرف ماضی کے قصے کہانیوں اور فتوحات کے رسیا تھے اور سائنسی و عقلی ترقی سے ان کا دور دور کا کوئی لینا دینا نہیں تھا۔

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ مروجہ تاریخ سو فیصد سچ ہے؟ یا پھر یہ ایک منظم فکری سازش اور تاریخی حقائق کو چھپانے کی ایک سوچی سمجھی کوشش ہے؟

اگر ہم تاریخ کا غیر جانب دارانہ مطالعہ کریں اور تعصب کی عینک اُتار کر دیکھنا شروع کریں تو سچائی اس کے بالکل برعکس نظر آتی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جس سائنسی انقلاب پر آج مغرب فخر کرتا ہے، اس کی بنیادیں اندلس کی مسلم یونیورسٹیوں اور بغداد کے ’’بیت الحکمت‘‘ میں رکھی گئی تھیں۔ یہ ایک ایسی دستاویزاتی اور سچی تاریخ ہے جسے صدیوں سے چھپایا جا تا رہا ہے۔ اس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ ہماری تین تین نسلیں شدید احساسِ کمتری کا شکار ہوگئیں اور انہوں نے اپنے ہی اسلاف کے علمی ورثے کو پرائی امانت سمجھنا شروع کر دیا۔

مغرب کی علمی اجارہ داری کا طلسم اس وقت ٹوٹتا ہے جب ہم حقائق کی کھوج کرتے ہیں۔ مغرب

دعویٰ کرتا ہے کہ سائنس فرانسس بیکن کی مرہونِ منت ہے۔ لیکن مسلم دنیا کے مایہ ناز عبا قرہ، جیسے ابن الہیثم نے بیکن سے صدیوں پہلے علمِ بصریات (Optics) میں دنیا کا پہلا حقیقی سائنسی تجربہ کیا۔

ابن الہیثم نے صرف تھیوریاں پیش نہیں کیں، بلکہ اندھیرے کمرے میں روشنی کے انعطاف (Refraction) کا عملی مظاہرہ کر کے اس ''کیمرہ ابسکورا'' کی بنیاد رکھی جس کے بغیر آج کا ڈیجیٹل میڈیا اور سائنسی مانیٹرنگ ادھوری ہے۔

اسی طرح محمد بن موسیٰ الخوارزمی نے جب ''الجبرا'' کی بنیاد رکھی اور صفر (Zero) کے تصور کو ریاضی کا حصہ بنایا، تو انہوں نے لاشعوری طور پر اس بائنری سسٹم کا ماڈل ویئر تیار کر دیا تھا جس پر آج دنیا کے تمام کمپیوٹرز، الگورتھمز اور آرٹیفیشل انٹیلیجنس (AI) کام کر رہے ہیں۔ یہ وہ حقائق ہیں جنہیں ہمارے تعلیمی نصاب کا حصہ نہیں بنایا جاتا۔

تاریخ کی ستم ظریفی دیکھیے یا کسی کی باریک واردات کہ مسلم تہذیب کے عروج کے وقت یورپ کی حالتِ زار کیا تھی اور کیا بنا کر پیش کی جاتی ہے۔ ایک ایسا دور بھی تھا جب قرطبہ اور غرناطہ کی سڑکیں رات کو روشنیوں سے جگمگا رہی ہوتی تھیں اور وہاں کے کتب خانے لاکھوں کتابوں سے بھرے پڑے تھے، جبکہ دوسری طرف پورا یورپ جہالت اور تاریکی کے دور سے گزر رہا تھا۔

اس دور میں مسلم طرزِ زندگی اس قدر طاقتور اور پرکشش تھا کہ یورپی اشرافیہ اور وہاں کے بادشاہ مسلم ریاستوں کے قانون، لباس، رہن سہن، حتیٰ کہ سرکاری زبان کی نقل کرنا اپنے لیے سب سے بڑا اسٹیٹس سمبل سمجھتے تھے۔ اندلس اور صقلیہ کے شاہی درباروں میں مسلم طرزِ حکومت کی یہ تقلید اس بات کا واضح ثبوت تھی کہ دنیا کی قیادت کس کے ہاتھ میں تھی۔ یورپی مؤرخین نے اس دور کو مسلم بالادستی کا دور تسلیم کیا ہے، لیکن جدید تاریخ میں یہ چیزیں ڈھونڈنے سے بھی نہیں مل پا رہیں۔

ہمارے ساتھ ایک اور باریک واردات یہ ڈالی گئی کہ مسلم خواتین کے کارنامے، ان کی انسانیت کے لیے دی گئی خدمات، ان کی ریاضتیں اور لازوال جدوجہد کو نہ صرف بالکل فراموش کر دیا گیا، بلکہ مسلم خواتین کے متعلق مسلم معاشرے کے کردار کو بھی مشکوک کر دیا گیا۔

مروجہ مغربی تاریخ پڑھ کر ایسا لگتا ہے کہ سائنس اور تنظیمی ڈھانچے صرف مردوں کی ایجاد ہیں، حالانکہ اسلامی تاریخ گواہ ہے کہ اسلام نے خواتین کو علم و تحقیق کا وہ بلند مقام دیا جس کی مثال کسی دوسری تہذیب میں نہیں ملتی۔ فاطمہ الفہری جیسی خاتون نے نویں صدی میں مراکش کے شہر فاس میں دنیا کی پہلی باقاعدہ یونیورسٹی ''جامعۃ القرویین'' کی بنیاد رکھی، جو آج بھی دنیا کی قدیم ترین فعال یونیورسٹی تسلیم کی جاتی

ہے۔ اسی طرح مریم الاسطرلابی نے اسٹرونومی (علمِ نجوم وفلکیات) کے میدان میں وہ پیچیدہ اسطرلاب (Astrolabe) تیار کیے جو اس دور کا جی پی ایس (GPS) کہلا سکتے ہیں۔ ان خواتین کا ذکر نہ کرنا علم کی تاریخ کے ساتھ سراسر ناانصافی ہے۔

بہت سے لوگ یہ بھی اعتراض کرتے ہیں کہ: ''یہ سب تو ماضی کے قصے ہیں، آج کے مسلمان کی کیا کاوشیں ہیں؟'' یہ آرٹیکل اس مغالطے کو بھی جڑ سے اکھاڑ پھینکتا ہے۔ مسلمانوں کا سائنسی عروج صرف ماضی کا کوئی قصۂ پارینہ نہیں ہے، بلکہ یہ سفر ۲۱ ویں صدی میں بھی پوری آب وتاب کے ساتھ جاری ہے۔

آج دنیا کے جدید ترین سائنسی میدانوں، جیسے نانو ٹیکنالوجی، کوانٹم کمپیوٹنگ، جینیٹکس اور روبوٹک سرجری کے پردے کے پیچھے ایسے مایہ ناز مسلم دماغ موجود ہیں جو خاموشی سے عالمی سطح پر انسانیت کی قیادت کر رہے ہیں۔ ان کے تحقیقی مقالے دنیا کے بڑے بڑے سائنسی جرائد کی زینت بنتے ہیں، جو اس بات کا زندہ ثبوت ہیں کہ ہماری علمی اور سائنسی صلاحیتیں کبھی ختم نہیں ہوئیں اور میرا ماننا ہے کہ اگر قرطبہ وغرناطہ کی مسلم یونیورسٹیز کو تاراج نا کیا جاتا اور بغداد جیسا علم کا شہر تاتاریوں کی نظر نہ ہوتا تو دنیا ترقی کی جن منازل کو آج طے کر رہی ہے، اس سے کہیں ایک دو صدیاں آگے بھی ہونا تھیں اور مضبوط اور منظم ہاتھوں میں بھی ہونا تھیں۔

تمام حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ مسلم امہ کو احساسِ کمتری کی ان زنجیروں کو توڑنا ہوگا اور ہمیں اپنی اگلی نسلوں، اساتذہ، اور ریسرچ اسکالرز کو ایک ایسا فکری ہتھیار دینا ہوگا جو نہ صرف ان کا سر فخر سے بلند کرے، بلکہ ان کے اندر دوبارہ سے سائنسی تحقیق کا وہی جذبہ بیدار کرے جو ہمارے اسلاف کا طرۂ امتیاز تھا۔

اب وقت آ گیا ہے کہ ہم اپنی تاریخ کو غیروں کی عینک سے دیکھنا بند کریں اور روشنی کے حقیقی وارث بن کر دنیا میں اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کریں۔

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

اسلام میں چھوٹی چھوٹی نیکیوں کی اہمیت و اجر

مولانا قاری محمد سلمان عثمانی

دین اسلام ایک ایسا پیارا دین ہے جس میں معمولی سی نیکی پر بھی اللہ جل شانہٗ کی رحمت ہمارے دروازوں پر آن پہنچتی ہے اور ہمیں متوجہ کرتی ہے، اللہ تعالیٰ کی رحمت کا تو کوئی کنارہ نہیں، پس انسان اپنے رب کی بارگاہ میں آکر سر بسجود ہوکر اپنے گناہوں پر نادم ہوکر جب مانگتا ہے تو پروردگار کی رحمت اس شخص کو اپنی آغوش میں لے لیتی ہے، اسی لیے کہا گیا ہے کہ چھوٹی و معمولی سی نیکی کو اس وجہ سے مت چھوڑ دو کہ اس کا اجر کم ملے گا، نہیں نہیں، بلکہ اس کا اجر بھی قیامت کے روز بہت بلند ہوگا، اسی طرح اسلام ہماری زندگی کے ہر پہلو کی رہنمائی کرتا ہے۔

اسلام ہمیں زندگی کے ہر شعبے میں بھلائی، حسن اخلاق، اور نیکی کی تعلیم دیتا ہے۔ دین اسلام میں چھوٹی سے چھوٹی نیکی بھی رائیگاں نہیں جاتی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں عمل کا وزن نیت اور اخلاص سے ہوتا ہے نہ کہ ظاہری حجم سے۔ اللہ جل شانہٗ ارشاد فرماتے ہیں:

’’تو جو ایک ذرہ بھر بھلائی کرے (اللہ اُسے دیکھے گا) اور جو ایک ذرہ بھر برائی کرے اللہ اسے بھی دیکھے گا۔‘‘ (سورۃ الزلزال)

اس آیتِ مبارکہ سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ قیامت کے دن چھوٹی سے چھوٹی نیکی کا بھی اجر ملے گا اور جو گناہ چھوٹے سمجھ کر کیے گئے ان کی سزا بھی ملے گی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

’’ہر روز جب سورج طلوع ہوتا ہے تو لوگوں کے ہر عضو پر صدقہ لازم ہوجاتا ہے، یعنی کوئی شخص دو آدمیوں کے درمیان صلح کرادے تو یہ صدقہ ہے، کسی کو سواری پر بٹھادے یہ صدقہ ہے، کسی کو کوئی اچھی بات بتادینا بھی صدقہ ہے، نماز کی ادائیگی کے لیے جاتے ہوئے اُٹھنے والا ہر قدم صدقہ ہے اور راستے میں

سے کوئی تکلیف دہ چیز ہٹا دینا بھی صدقہ ہے۔''

ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

''تمہارا اپنے بھائی کے لیے مسکرانا بھی صدقہ ہے۔'' (ترمذی)

معمولی سی نیکی کی اہمیت بیان کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

''جہنم سے بچو اگرچہ کھجور کے ایک ٹکڑے کو خیرات کرنے کے ذریعے سے ہی کیوں نہ ہو۔'' (بخاری)

اسی طرح سلام کرنا اور اس میں پہل کرنے کی کوشش کرنا، کسی پیاسے کو پانی پلا دینا، کسی بھٹکے ہوئے کو راستہ دکھا دینا اور سب کے ساتھ خوش اخلاق کے ساتھ پیش آنا، یہ سب چھوٹی چھوٹی نیکیاں ہیں، جن کو ہم اکثر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ سب چھوٹے چھوٹے اعمال اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''اے سعد! کیا میں تمہیں ایسا عمل نہ بتاؤں جس میں محنت کم اور ثواب زیادہ ہے۔ انہوں نے عرض کی: جی حضور ﷺ! نبی کریم ﷺ نے فرمایا: پانی پلایا کرو۔'' (المعجم الکبیر)

سورۃ النساء میں ہے:

''اور تمہیں کیا ہوا کہ نہ لڑو اللہ کی راہ میں اور کمزور مردوں اور عورتوں اور بچوں کے واسطے جو یہ دعا کر رہے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں اس بستی سے نکال جس کے لوگ ظالم ہیں اور ہمیں اپنے پاس سے کوئی حمایتی دے دے اور ہمیں اپنے پاس سے کوئی مددگار دے دے۔''

حضور نبی کریم ﷺ نے ہمیشہ کمزوروں، مسکینوں، مظلوموں اور یتیموں کی عملی طور پر مدد کرنے کی تلقین فرمائی۔ اسی طرح کسی بھی معاشرے میں امن وسکون کے لیے عدل وانصاف کا ہونا بہت ضروری ہے۔ عدل وانصاف کے بغیر کوئی بھی معاشرہ امن کا گہوارہ نہیں بن سکتا۔ جس معاشرے میں عدل وانصاف ختم ہو جائے وہاں کے لوگ بے راہ روی کا شکار ہو جاتے ہیں اور جرائم میں اضافہ ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اور جب بات کہو تو انصاف کی کہو، اگرچہ تمہارے رشتہ دار کا معاملہ ہی ہو۔'' (سورۃ الانعام)

سورۃ المائدہ میں ہے:

''اے ایمان والو! اللہ کے حکم پر خوب قائم ہو جاؤ انصاف کے ساتھ گواہی دیتے اور تم کو کسی قوم کی عداوت اس پر نہ اُبھارے کہ انصاف نہ کرو، انصاف کرو، وہ پرہیز گاری سے زیادہ قریب ہے۔''

حضرت براء بن عازبؓ سے مروی ہے کہ:

''نبی کریم ﷺ نے سات کام کرنے کا حکم فرمایا اور سات کاموں سے منع فرمایا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بیمار کی عیادت کرو، جنازے میں شریک ہو، جب کسی کو چھینک آئے تو چھینکنے والے کا جواب دو، مظلوم کی مدد کرو، جب کوئی دعوت دے تو اس کی دعوت قبول کرو اور فرمایا کہ: قسم کھانے والے کو قسم سے بری کردو۔'' (بخاری)

حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''تو اپنے بھائی کی مدد کر چاہے وہ مظلوم ہو یا ظالم۔ ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مظلوم کی تو مدد کروں گا، مگر ظالم کی مدد کس طرح کروں؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم اُسے ظلم کرنے سے روکو، یہی اس کی مدد ہے۔'' (بخاری)

حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''مومن مومن کا آئینہ ہے اور مومن مومن کا بھائی ہے، وہ اس کو بربادی سے بچاتا ہے اور پیٹھ پیچھے اس کی حفاظت کرتا ہے۔'' (مشکوٰۃ المصابیح)

مظلوموں کی مدد کرنے سے معاشرے میں عدل وانصاف قائم ہوتا ہے۔ جب معاشرے کے کمزور اور بے سہارا لوگوں کا خیال رکھا جائے گا تو ظلم وزیادتی خود بہ خود ہی ختم ہو جائے گی۔ اس طرح معاشرے میں رہنے والے افراد کے دلوں میں باہمی محبت اور ہمدردی پیدا ہوگی اور معاشرے میں امن و سکون قائم ہوگا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے تو وہ نہ اس پر ظلم کرے اور نہ اس کو اس کے دشمن کے حوالے کرے، جو کوئی اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرنے میں رہے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت پوری کرے گا اور جو کوئی کسی مسلمان کی تنگی دور کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے قیامت کے دن اس کی تکالیف کو دور کرے گا اور جو کوئی کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے عیبوں پر پردہ ڈالے گا۔'' (ابوداؤد)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبیِ رحمت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''ایک مومن دوسرے مومن کے لیے ایسے ہے جیسے دیوار کہ اس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو مضبوط کرتا ہے۔'' (مسلم)

یعنی جیسے دیوار کی اینٹیں ایک دوسرے کے ساتھ جڑ کر ایک مضبوط دیوار بنا دیتی ہیں اور اسے

گرنے سے بچاتی ہیں، یہی مثال مومنین کی ہے جو ایک دوسرے کے ساتھ باہم تعاون کر کے ایک دوسرے کومضبوط کرتے ہیں اور ایک دوسرے کوگرنے نہیں دیتے۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''مومن کی مثال باہم محبت کرنے، ایک دوسرے پر رحم کھانے اور مہربانی کرنے میں ایک جسم کی مانند ہے، جب اس کے جسم میں کسی بھی حصے میں تکلیف ہوتی ہے تو پورا جسم بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔'' (بخاری)

آج کے دور میں امت مسلمہ زوال کا شکار ہے، معاشی بدحالی، تعلیمی پسماندگی، فرقہ واریت اور اخلاقی لحاظ سے مسلمان زوال کا شکار ہیں، ان تمام مسائل کا حل باہم تعاون سے ممکن ہے۔ اگر ہم تعلیم و تربیت، روزگار اور دیگر نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں گے تو امت مسلمہ اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کرسکتی ہے۔ اسلام کا پیغام باہم محبت، اخوت اور تعاون کا ہے۔ یہ دین ہمیں صرف ذاتی معاملات کوسنوارنے کی تعلیم نہیں دیتا، بلکہ ایک ایسے مثالی معاشرے کے قیام کی تعلیم دیتا ہے جہاں ہم ایک دسرے کے کام آسکیں۔ اگر ہم قرآن وسنت کو اپناتے ہوئے اپنی زندگیوں کو بسر کریں تو اس سے نہ صرف ہم اپنے ذاتی مسائل کوحل کر سکتے ہیں، بلکہ ہم ایک ایسا معاشرہ قائم کر سکتے ہیں جس میں امن وسکون ہو۔ اگر ہم یہ چھوٹی چھوٹی نیکیاں جن کو ہم خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کریں تو اس سے ہمارے دل نرم ہوں گے، معاشرے میں محبت، امن وسکون اور خیر سگالی کے جذبے کوفروغ ملے گا۔ بعض دفعہ کسی کی معمولی سی مدد کرنا، کسی کے لیے دعا کرنا یا پھر کسی کو ایک اچھا کلمہ بول کر اس کا دل خوش کر دینے سے اللہ تعالیٰ انسان کو اس کے اس چھوٹے سے عمل سے جنت کا مستحق ٹھہرا دیتا ہے۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم کسی بھی نیک عمل کو معمولی نہ سمجھیں۔ جب چھوٹے سے چھوٹا عمل بھی خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کیا جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے دنیا وآخرت میں کامیابی عطا فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مولائے کریم ہمیں دین کی صحیح معنوں میں سمجھ عطا فرمائے، اپنا ڈر وخوف ہمارے اندر پیدا فرمائے، مخلوقِ خدا کی خدمت، سچائی اختیار کرنے، برائی سے بچنے اور معمولی نیکیوں کو اللہ کی رضا کی خاطر کرنے کی توفیق نصیب فرمائے، آمین

تدوینِ قرآن کے کچھ اہم گوشے

مولوی قدرت اللہ
متعلم دورہ حدیث، جامعہ

قرآن کریم کی مختلف ادوار میں مختلف خدمتیں ہوتی رہی ہیں، انہیں میں سے ایک خدمت قرآن کریم پر ہونے والے اعتراضات کا جواب بھی ہے، جس پر مختلف حضرات نے کام کیا ہے، مثلاً حفاظتِ قرآن مجید اور مستشرقین، قرآن مجید پر ملحدین کے سو اعتراضات اور ان کا جواب وغیرہ مختلف کتابیں لکھیں گئی ہیں۔

ذیل میں اس اشکال کو دور کرنے کی کاوش کی گئی ہے جو قرآن کریم کی تدوین وترتیب کے متعلق ہوتا ہے کہ یہ قرآن کیسے مرتب ہوا؟ اور کن حضرات نے اس کو الفاظ وعبارات کی شکل میں مرتب کر کے کتابی شکل میں اقوامِ عالم کے ہاتھوں میں دیا؟ اس سے پہلے چند تمہیدی باتیں جاننا ضروری ہے، جس سے اصل موضوع کو سمجھنا آسان ہو۔

عہد نبوی میں جمعِ قرآن کا پہلا مرحلہ

عہد نبوی میں جمع قرآنی کی خدمت دو طریقہ سے ہوئی:

الف: حفظ کے ذریعے، لوگوں نے قرآن کریم اپنے سینوں میں محفوظ کیا۔

ب: لکھنے کے ذریعے، قرآن کریم کو سطور میں بند کر کے محفوظ کیا گیا۔

الف: بطور حفظ کے قرآن سینوں میں محفوظ کرنے کی تفصیل

قرآن کریم چونکہ یکبارگی مکمل نازل نہیں ہوا، بلکہ رفتہ رفتہ مختلف واقعات وحادثات کے تناظر میں نازل ہوتا رہا، کبھی سوال کے جواب کی صورت میں، تو کبھی فاسد اور غلط عقیدوں کی تردید میں اُترا، لیکن عہد نبوی میں اس کو مکمل ایک کتابی مجموعے کی شکل دینا محال تھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ احکامات

میں تدریج مقصود تھی، اور کچھ میں نسخ مقصود تھا، بہرحال دورِ نبوی میں کتابت سے زیادہ اللہ پاک نے قرآن کی حفاظت سینوں میں محفوظ کر کے فرمائی، اور چونکہ نبی کریم ﷺ اُمی مبعوث ہوئے، ان لوگوں میں جن میں سے اکثر اُمی تھے (یعنی وہ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے) اور اُمیوں کا اکثر مدار حفظ پر ہوتا ہے، لیکن صحابہؓ میں کچھ وہ تھے جو کتابت سے خوب واقف تھے، انہوں نے بھی سینوں میں محفوظ کرنے میں کچھ دریغ نہ کیا، چنانچہ صحیح مسلم میں ہی حدیث قدسی کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

''وننزل عليك كتابا لا يغسله الماء.''

ترجمہ: ''میں تم پر ایک ایسی کتاب نازل کرنے والا ہوں جسے پانی نہیں دھو سکے گا۔''(۱)

چنانچہ ابتدائے اسلام میں سب سے زیادہ زور حافظہ پر دیا گیا، صرف قرآن کی حفاظت اور یاد کی خاطر، جب وحی نازل ہوتی تو آپ ﷺ اس کے الفاظ کو اسی وقت دہراتے کہ کہیں بھول نہ جائے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

''لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ''(۲)

''اے پیغمبر! آپ (قبل وحی کے ختم ہو چکنے کے) قرآن پر اپنی زبان نہ ہلایا کیجئے، تاکہ آپ اس کو جلدی جلدی لیں، (کیونکہ) ہمارے ذمے ہے (آپ کے قلب میں) اس کا جمع کر دینا اور اس کا پڑھوا دینا۔''(۳)

آیت کریمہ میں واضح طور پر آپ ﷺ سے کہا گیا کہ زبان کو زیادہ ہلانے اور الفاظ کو زیادہ دہرانے کی ضرورت نہیں، بلکہ ہم آپ کو یہ کلام یاد کرا دیں گے، چنانچہ یہی ہوا، ادھر قرآن نازل ہوتا اور ادھر حضور ﷺ کو یاد ہو جاتا، اور آپ ﷺ راتوں کو نوافل میں قرآن پڑھنے کا خوب اہتمام فرماتے، حتیٰ کہ جبرائیل علیہ السلام کو ہر سال ایک بار سناتے تھے، اور جس سال آپ کی وفات ہوئی، اس سال آپ نے دو مرتبہ قرآن کریم کا دور کیا۔(۴)

پھر آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی قرآن یاد کراتے، اور ان کے معانی سکھاتے تھے، اور صحابہؓ بھی یاد کرنے میں خوب دلچسپی لیتے تھے، اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی فکر میں ہمیشہ لگے رہتے تھے، چنانچہ تھوڑی مدت میں صحابہ کرامؓ کی ایک ایسی جماعت تیار ہوگئی، جسے قرآن کریم ازبر یاد ہو گیا، روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حفاظِ قرآن کی اس جماعت میں حضرات خلفائے راشدین، حضرت طلحہ، حضرت سعد، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت حذیفہ بن یمان، حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہ، حضرت ابو ہریرہ، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عمرو بن عاص، حضرت معاویہ، حضرت عبداللہ بن زبیر،

حضرت عبداللہ بن السائب، حضرت عائشہ، حضرت حفصہ، حضرت ام سلمہ، حضرت ام ورقہ، حضرت ابی بن کعب، حضرت معاذ بن جبل، ابوحلیمہ معاذ، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابودرداء، حضرت انس بن مالک، حضرت عقبہ بن عامر، حضرت تمیم داری، حضرت ابوموسیٰ اشعری، اور حضرت ابوزید رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسے حضرات شامل تھے۔ (۵)

ان کے علاوہ دیگر صحابہ کرامؓ بھی حافظ قرآن تھے۔ یہ تو وہ ہیں جن کا نام روایات میں آیا، ورنہ ان کے علاوہ اور بھی سیکڑوں صحابہؓ حاملین قرآن تھے۔ اس بات کی تائید عہد نبوی میں بئر معونہ والے واقعے سے ہوتی ہے جس میں ۷۰ حفاظ شہید ہوئے اور اس کے بعد عہد صدیقی میں جنگ یمامہ میں ۷۰۰ کے لگ بھگ افراد شہید ہوئے جو حافظ قرآن تھے، جیسا کہ ان کی تعداد بخاری میں مذکور ہے:

''وكان عدة من قتل من القراء سبع مائة.''(۶)

ترجمہ: ''اس جنگ (یمامہ) میں شہید ہونے والے حفاظ کی تعداد ۷۰۰ تھی۔''

یہ اس امتِ محمدیہ کا شرف ہے کہ قرآن کو اللہ نے ان کے سینوں میں محفوظ کیا۔ ان کی نقل کا مدار سینوں کے ساتھ ساتھ صحیفے پر بھی ہے، اللہ نے اس کی حفاظت خود بھی کی اور اس کی حفاظت کے ذرائع بھی مہیا کیے۔ ایک یہ کہ اس کے حفظ کو آسان کر دیا اور کتابت وسطور میں محفوظ کرنے کے ذرائع مہیا کیے، جیسا کہ قرآن میں ہے:

''وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ'' (القمر:۱۷)

جب اللہ نے اس کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے تو حفاظت اس کی دو طریقے سے کی: ایک صدور (حفظ) کے ذریعے، دوسرا سطور ونقوش کے ذریعے اور یہی ذرائع اس کی تحریف وتبدیلی سے بچنے کا سبب بنے۔

ب: عہدِ نبوی میں بطور کتابت محفوظ کرنے کی قدرے تفصیل

دوسری خصوصیت کتاب اللہ کی صحیفوں میں اس کا لکھنا اور جمع کرنا ہے، اور قرآن کریم کی ۱۱۴ر سورتیں ۲۳ رسال کے عرصے میں بتدریج نازل ہوتی رہیں، مختلف مناسبتوں سے آنحضرت ﷺ نے اس کے لکھوانے کا خوب اہتمام کیا، کتابتِ وحی کے لیے بعض صحابہ کرامؓ کو مختص کیا، جن میں درج ذیل نام قابل ذکر ہیں: خلفائے راشدین، زید بن ثابت، ابی بن کعب، معاذ بن جبل، معاویہ بن ابی سفیان، اور دیگر بڑے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسے افراد شامل تھے۔ یہ مشہور کاتبین وحی ہیں، ان کے علاوہ دیگر صحابہؓ نے بھی کتابتِ وحی کا خوب اہتمام کیا، کاتبینِ وحی کی تعداد چالیس تک شمار کی گئی ہے اور ان میں سے

بعض صحابہ کرامؓ کا اپنا لکھا ہوا مصحف بھی تھا، جیسے: مصحف ابن مسعود، مصحف علی، مصحف عائشہ، وغیرہ، اور جب بتدریج نزول ہوتا رہا تو کوئی سورت پہلے مکمل ہوتی رہی، اور کوئی بعد میں، اور اس کے ساتھ آہستہ آہستہ کتابت کا سلسلہ بھی جاری رہا اور صحابہ کرامؓ مسلسل اس کے لکھنے کا اہتمام فرماتے رہے۔ قرآن کریم کے قلم بند کرنے کا طریقہ کار ایک روایت میں یوں مذکور ہے:

''وكان إذا نزل عليه الشيء يدعو بعض من يكتب، فيقول: ضعوا هٰذا في السورة التي يذكر فيها كذا وكذا.''(۷)

ترجمہ: ''جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آیات کا نزول ہوتا تھا تو آپ بعض کاتبین کو بلا کر اُن سے کہتے کہ اس آیت کو اس سورت میں لکھو، جس سورت میں فلاں آیتیں یا فلاں باتیں ہیں۔''

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کاتبین وحی کو سورتوں کی آیات کے متعلق جو ترتیب بتاتے تھے، وہ جبرائیل کے بتانے پر بتاتے تھے، جو درحقیقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغام ہوا کرتا تھا، جیسا کہ مسند احمد کی روایت میں ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''أتاني جبرئيل فأمرني، الخ''

ترجمہ: ''جبرائیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور مجھے حکم دیا کہ اس آیت کو سورت کی فلاں جگہ پر رکھو۔''(۸)

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب لکھوا لیتے تو اس کے بعد خود سننے کا بھی اہتمام کرتے تھے، اور سن کر اگر کوئی لفظ درست نہ ہوتو اس کی تصویب فرماتے تھے، جیسا کہ کاتبِ وحی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ:

''فإن كان فيه سقط أقامه.''(۹)

ترجمہ: ''اگر کوئی حرف یا نقطہ لکھنے سے چھوٹ جاتا، تو اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم درست کراتے۔''

اور جب یہ تمام کام مکمل ہو جاتے، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اشاعتِ عام کا حکم دیا کرتے، تاکہ لکھنے والے اور صحابہؓ بھی لکھ لیں، یہی احتیاط بعد میں مددگار بنی، عہدِ صدیقی میں انہی لکھے ہوئے نسخوں سے کام لیا گیا۔ بلاشبہ روایات سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہوتی ہے کہ عہدِ نبوی میں قرآن کریم کو مختلف چیزوں پر لکھا گیا، مثلاً: چمڑا، پتھر کی سفید پتلی پتلی تختیاں، اونٹ کے مونڈھے کی گول ہڈی، کھجور کی شاخوں کی جڑ کا وہ کشادہ عریض حصہ جس میں کانٹے والے پتے نہیں ہوتے، یہ اور اس جیسی چیزوں میں لکھا جاتا تھا، اور مستدرک حاکم کی روایت میں ہے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین فرماتے ہیں کہ:

’’كنا عند رسول الله ﷺ نؤلف القرآن من الرقاع.‘‘(۱۰)

ترجمہ: ’’ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھ کر چرمی قطعات (میں لکھے ہوئے قرآن) کی تالیف (مرتب) کرتے تھے۔‘‘

عہدِ صدیقی میں انہی مذکورہ بالا نوشتوں سے قرآن کو مصحف کی شکل میں مرتب کیا گیا، اور اگر بالفرض قرآن کی کتابت عہدِ نبوی میں نہ ہوتی تو حضور ﷺ قرآن کو دشمن کی زمین میں لے جانے سے کیوں کر منع فرماتے؟ اور کیوں فرماتے کہ: ’’کوئی شخص قرآن کے نسخے میں دیکھے بغیر تلاوت کرے، تو اس کا ثواب ایک ہزار درجہ ہے، اور اگر قرآن کے نسخے میں دیکھ کر تلاوت کرے، تو اس کا ثواب دو ہزار درجے ہے۔‘‘(۱۱)

عہدِ صدیقی میں جمعِ قرآن کا دوسرا مرحلہ

حضور ﷺ کے زمانے میں جن متفرق چیزوں پر قرآن لکھا گیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اصرار پر ان متفرق چیزوں کو یکجا کر کے سرکاری طور پر ایک قرآنی نسخہ مرتب کیا، جس کی تفصیل حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ یوں بیان کرتے ہیں کہ جنگِ یمامہ کے فوراً بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے طلب کیا، حاضر ہو کر دیکھتا ہوں کہ عمر رضی اللہ عنہ بھی وہاں موجود ہیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا: ’’عمر نے ابھی آ کر مجھ سے یہ بات کہی کہ جنگِ یمامہ میں حفاظ کی ایک بڑی جماعت اور بڑی تعداد شہید ہوئی ہے، اگر اسی طرح ہوتا رہا تو مجھے قرآن کے ضیاع کا بڑا خوف ہے، لہٰذا میری رائے یہ ہے کہ آپ اپنے حکم سے قرآن کریم کو جمع کروانے کا کام شروع کر دیں۔‘‘ میں نے عمر سے کہا: جو کام حضور رضی اللہ عنہ نے خود نہیں کیا وہ میں کیسے کروں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ خدا کی قسم! یہ کام یقیناً بہتر ہے۔ اور اب اللہ نے اس کام کے لیے میرے سینے کو کھول دیا ہے، جس کام کے لیے عمر کا سینہ کھول دیا تھا، لہٰذا اب میری رائے بھی وہی ہے جو عمر کی ہے، اس کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے حکم دیا:

’’إنك رجل شاب عاقل لا نتّهمك.‘‘

’’تم نوجوان سمجھدار آدمی ہو، ہمیں تم پر کوئی بدگمانی نہیں ہے۔‘‘

تم رسول اللہ ﷺ کے سامنے کتابتِ وحی کا کام بھی کرتے رہے ہو، لہٰذا تم قرآن کی آیتوں کو جمع کرو۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: اگر یہ حضرات مجھے پہاڑ اُٹھانے کا کہتے تو اس بات سے مجھ پر اتنا بوجھ نہ ہوتا، جتنا قرآن کے جمع کرنے کی بات سے مجھ پر بوجھ ہوا۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ وہ کام کیسے کر

رہے ہو، جو حضور ﷺ نے نہیں کیا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: خدا کی قسم! یہ کام یقیناً بہتر ہے، اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کام کے لیے مجھ سے بار بار اصرار کرتے رہے، یہاں تک کہ اللہ نے میرا سینہ اس کام کے لیے کھول دیا جس کام کے لیے ان کا سینہ کھولا تھا، چنانچہ میں نے قرآن کریم کو کھجور کی شاخوں سے اور پتھر کی تختیوں سے اور لوگوں کے سینوں سے جمع کرنا شروع کیا۔‘‘(۱۲)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اس سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے قرآن کریم کو جمع کرنا شروع کیا، لیکن وہ صرف ان لکھی ہوئی تحریروں پر یا خود اپنی یاد پر، یا صحابہؓ کی یاد پر اکتفا نہ کرتے تھے، جب تک کہ اس کے متعلق شواہد سے یہ بات معلوم نہ ہو جاتی کہ یہ حضور ﷺ کے سامنے حضور کے حکم سے لکھا گیا ہے اور پھر حضور پر اس کو پیش بھی کیا گیا ہے، اور ان کے بغیر وہ کسی آیت کو قبول نہیں کرتے تھے۔ اور ان لکھی ہوئی آیتوں کا دیگر مجموعوں کے ساتھ بھی مقابلہ کیا جاتا تھا جو مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تیار کر رکھے تھے۔ اور جب درج ذیل طرق سے اس کا اثبات ہو جاتا، تب اپنے نئے صحیفے میں درج کرتے، اور صرف زیدؓ نہیں بلکہ ان کے ساتھ اس کام میں دیگر اراکین کمیٹی بھی شامل تھے، جو اس کام میں ان کے معین تھے، یہ کل سات افراد تھے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اس کمیٹی کے ذمہ دار تھے، اور خود لکھنے والے تھے اور دیگر اراکین ان کے معاون تھے۔(۱۳)

لہٰذا سرکاری طور پر اعلان کیا گیا کہ جس کے پاس قرآن کا جتنا حصہ ہو وہ لے آئے، لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان مختلف عریضوں کو قبول کرنے میں کچھ مضبوط کڑی شرائط لگائیں، تاکہ یہ کام حسن وخوبی سے مکمل ہو جائے کہ جو آیت آئے، یہ اراکین کمیٹی سب سے پہلے اپنے حافظے سے اس کی توثیق کریں، اور بعض روایتوں میں ہے کہ: حضرت زید رضی اللہ عنہ پہلے اپنی یادداشت سے اس کی توثیق کرتے تھے، پھر ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ توثیق فرماتے تھے۔(۱۴)

کیونکہ یہ حضرات خود بھی ماہرِ قرآن اور حفاظِ قرآن تھے، پھر اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ کوئی آیت اس وقت تک قبول نہ کی جائے گی، جب تک دو قابلِ اعتبار گواہ گواہی نہ دے دیں اس بات کی کہ یہ حضور ﷺ کے سامنے لکھی گئی تھی، اور اس کے بعد ان لکھی ہوئی آیتوں کے متعلق یہ حکم بھی تھا کہ دوسرے صحابہؓ کے ذاتی مجموعوں سے تقابل کیا جائے۔ توثیق کے بعد دو گواہیاں، پھر دیگر مجموعوں پر آیتوں کو پیش کرنا یہ صرف احتیاط کے پہلو کو مدِنظر رکھنے کی خاطر تھا، اور سورتوں کو صحیح ترتیب دینے کے لیے تھا، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے جمع کیے ہوئے نسخے کو ’’اُم‘‘ کہا جاتا ہے، اور یہ صحیفہ درج ذیل خصوصیات کا حامل تھا:

۱- اس نسخے میں آیاتِ قرآنی آنحضرت ﷺ کی بتائی ہوئی ترتیب کے مطابق مرتب تھیں، لیکن

سورتیں مرتب نہ تھیں، ہر سورت الگ الگ لکھی ہوتی تھی۔ (۱۵)

۲- اس نسخے میں ساتوں حروف (سات قبائل کی لغات) جمع تھے۔ (۱۶)

۳- یہ نسخہ خطِ حیری میں لکھا گیا تھا۔ (۱۷)

۴- اس میں صرف وہ آیتیں درج کی گئی تھیں، جن کی تلاوت منسوخ نہیں ہوئی تھی۔

۵- اس نسخہ کو لکھوانے کا مقصد یہ تھا کہ ایک مرتب نسخہ تمام امت کی اجماعی تصدیق کے ساتھ تیار ہو جائے، تاکہ ضرورت پڑنے پر اس کی طرف رجوع کیا جا سکے۔ (۱۸)

یہ صحیفہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات تک آپ کے پاس رہا، آپ کی وفات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس رہا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان کی وصیت کے مطابق ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا گیا۔ (۱۹)

عہدِ عثمانی میں جمع قرآنی کا تیسرا مرحلہ

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو کثرتِ فتوحات کی بنا پر اسلام عرب سے نکل کر عجم میں پھیلنے لگا، ہر نئے علاقے کے لوگ اپنے استاذ سے پڑھی ہوئی قراءت کے مطابق قرآن کی تلاوت کرتے، اور چونکہ انہوں نے بھی صحابہؓ سے اسی قراءت میں سیکھا ہوتا جس قراءت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو پڑھایا تھا، تو جب تک لوگوں کو یہ بات معلوم تھی کہ قرآن سات حروف پر نازل ہوا ہے تو اختلاف کا نام ونشان نہ تھا، لیکن جب یہ بات ذہنوں سے ذہول کر گئی اور عجم جو قراءات ولغات کی باریکیوں سے واقف نہیں تھے، ان میں خصوصاً قراء کے معاملہ میں آپس میں اختلاف ہونے لگا، جب اس طرح کے واقعات ہونے لگے، تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک نسخے پر امت کو جمع کرنے کی ضرورت محسوس کی، اسی دوران حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ جو آذربائجان اور ارمینیا کے محاذ پر اہلِ عراق کے ساتھ جہاد میں مشغول تھے، انہوں نے وہاں لوگوں کو قراءات میں اختلاف کرتے پایا، تو آپؓ نے مدینہ منورہ رختِ سفر باندھ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو آگاہ کیا، اور فرمایا کہ: امیر المومنین! اس امت کو روک لیجیے، کہیں یہ امت یہود ونصاریٰ کی طرح اللہ کی کتاب میں اختلاف نہ کرنے لگے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس معاملے کو حل کرنے کے لیے جلیل القدر اصحابِ رائے صحابہؓ کو طلب کر کے ان سے یہ مشورہ لیا کہ اس کا کیا حل ہے؟ صحابہؓ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے پوچھا: آپ نے اس کے بارے میں کیا سوچا ہے؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: میری رائے یہ ہے کہ تمام لوگوں کو صرف ایک

مصحف پر جمع کر دیا جائے، تاکہ کوئی اختلاف وافتراق نہ رہے، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں لوگوں کو خطبہ دیا اور فرمایا کہ: تم لوگ میرے قریب رہتے ہوئے قراءتِ قرآن میں اختلاف کرتے ہو تو جو لوگ مجھ سے دور ہوں گے، وہ تو اس سے بھی زیادہ اختلاف کریں گے، لہٰذا تم لوگ ایک قرآن کے نسخے کو تیار کرو، جو سب کے لیے واجب الاقتدا ہو۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کام کی تکمیل کے لیے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے وہ نسخہ طلب کیا، جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں لکھا گیا تھا (وہ خود اس میں تلاوت کیا کرتی تھیں)، تاکہ اس سے قرآن کو نقل کرکے کئی نسخے ایک لغت پر بنائے جائیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے چار صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت بنائی، جو زید بن ثابت، سعید بن العاص، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت عبدالرحمٰن بن حارث رضوان اللہ علیہم اجمعین پر مشتمل تھی۔ (۲۰) اور ان کو اس مصحفِ صدیقی سے کئی مصاحف نقل کر کے تیار کرنے کا حکم دیا، جن میں سورتیں بالترتیب ہوں، ان میں زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے علاوہ تین حضرات قریشی تھے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اُن کو مامور کیا کہ اگر قرآن کے کسی لفظ کی کتابت میں اختلاف ہو جائے تو لغت قریش میں لکھ دینا، اس لیے کہ قرآن اُن کی لغت میں نازل ہوا ہے، پھر بعد میں ان کے ساتھ دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو مدد کے لیے لگا دیا گیا، جیسے ابن ابی داؤد کی روایت کے مطابق ان حضرات کی تعداد ۱۲ تک پہنچ گئی، جن میں ابی بن کعب، کثیر بن افلح، مالک بن ابی عامر، انس بن مالک، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم جیسے حضرات شامل تھے۔

اب تک قرآن کریم کا ایک معیاری نسخہ عہدِ صدیقی میں امت کی اجتماعی تصدیق سے مرتب کیا گیا تھا، البتہ عہد عثمانی میں ان حضرات نے نئے مصحف کے تقریباً پانچ نسخے تیار کرائے تھے، البتہ امام ابوحاتم سجستانی رحمہ اللہ کے مطابق کل تیار کردہ نسخے سات تھے، جن میں سے ایک مکہ مکرمہ، ایک شام، ایک بحرین، ایک کوفہ، ایک بصرہ، ایک یمن بھیج دیا گیا، اور ایک مدینہ منورہ میں محفوظ کیا گیا۔ (۲۱)

اُمتِ مرحومہ ان اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خدمات، مصلحتوں اور ان کی دور رسی کی ہمیشہ ممنون ومشکور رہے گی، جنہوں نے قرآن کی حفاظت اور اس کی قراءت میں لوگوں کو اختلاف سے بچایا اور اس وادی سے انہیں دور رکھا۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہر دم ہر گھڑی رحمتوں سے مالا مال فرمائے، آمین بجاه سيد الأنبياء والمرسلين صلى الله عليه وآله وأصحابه أجمعين.

حوالہ جات

۱- علوم القرآن، ص: ۱۷۳-۱۷۴، ناشر: مکتبہ دار العلوم کراچی
۲- القیامہ: ۱۶، ۱۷

۳-ترجمہ از بیان القرآن مولانا اشرف علی تھانویؒ ص: ۶۱۴، مکتبہ رحمانیہ
۴-صحیح بخاری مع فتح الباری، ص: ۶۳، ج: ۹
۵-الاتقان، ص: ۴۳، ۴۷، ج: ۱
۶-بخاری، ص: ۷۴۰، ج: ۲
۷-کنز العمال، جلد: ۲، ص: ۷۴
۸-ماخوذ از: تدوین قرآن، افادات: مولانا مناظر احسن گیلانیؒ صفحہ: ۲۶، طبع: بشریٰ
۹-مجمع الزوائد، ج: ۱، ص: ۶۰
۱۰-مستدرک حاکم، ج: ۲، ص: ۶۰۳، یہ حدیث جامع ترمذی وغیرہ میں بھی ہے۔
۱۱-سنن دارقطنی، ص: ۱۲۳، ج: ۱
۱۲-صحیح بخاری مع فتح الباری، ص: ۸ تا ۱۱، ج: ۹
۱۳-البرہان فی علوم القرآن، ص: ۲۳۷، ج: ۱
۱۴-فتح الباری، ص: ۱۱، ج: ۹
۱۵-الاتقان، ص: ۶۰، ج: ۱
۱۶-مناہل العرفان، ص: ۲۴۶، ۲۴۷، ج: ۱
۱۷-تاریخ العرفان از عبد الصمد صارم، ص: ۴۳، لاہور
۱۸-ماخوذ من علوم القرآن، ص: ۱۸۶، مفتی محمد تقی عثمانی۔ التبیان فی علوم القرآن، ص: ۷۷، طبع: مکتبہ بشریٰ۔
۱۹-فتح الباری، ص: ۱۶، ج: ۹
۲۰-فتح الباری، ص: ۱۳ تا ۱۵، ج: ۹
۲۱-صحیح البخاری، فتح الباری، ص: ۱۷، ج: ۹

..... ✿ ..... ✿ ..... ✿ .....

مولانا غلام اکبر لاشاری
لاہور

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں
ذخیرہ اندوزی کے سدِ باب کے لیے اقدامات

اسلام کا معاشی نظام صرف دولت کی گردش تک محدود نہیں، بلکہ یہ انسانی ہمدردی، اخلاقیات اور سماجی انصاف کا ایک حسین امتزاج ہے جو ہر فرد کے معاشی حقوق کا ضامن ہے۔ ایک فلاحی ریاست کی بقا اس بات میں پنہاں ہے کہ وہ تاجروں اور عوام کے درمیان توازن برقرار رکھے، جس کے لیے درآمدات و برآمدات کے شفاف قوانین اور مارکیٹ کی سخت نگرانی ناگزیر ہے۔ ذخیرہ اندوزی (احتکار) اور ناجائز منافع خوری جیسے جرائم نہ صرف معاشی بہاؤ کو روکتے ہیں، بلکہ معاشرے میں مصنوعی قلت پیدا کر کے غریب اور سفید پوش طبقے کو بنیادی ضرورتِ زندگی سے بھی محروم کر دیتے ہیں۔ اسلام نے ایسے عناصر کی سخت مذمت کی ہے، کیونکہ یہ عمل براہِ راست خدا کی مخلوق پر ظلم اور معاشی دہشت گردی کے مترادف ہے۔ جب تک ریاستی سطح پر قانون کی بالادستی قائم نہیں ہوگی اور ناجائز منافع خوروں کے خلاف سخت تادیبی کارروائی نہیں کی جائے گی، تب تک مارکیٹ میں قیمتوں کا اعتدال ممکن نہیں ہوسکتا۔ حقیقی معاشی استحکام تب ہی حاصل ہوسکتا ہے جب سرمایہ چند ہاتھوں میں گردش کرنے کے بجائے زکوٰۃ، صدقات اور منصفانہ تجارت کے ذریعے معاشرے کے پسماندہ ترین طبقے تک پہنچے۔ ریاست کا یہ اولین فرض ہے کہ وہ ایک ایسا جامع مانیٹرنگ سسٹم وضع کرے جو ذخیرہ اندوزوں کی حوصلہ شکنی کرے اور اشیاءِ خورد و نوش کی بلاتعطل فراہمی کو یقینی بنائے۔ آخر کار ایک مستحکم معاشی نظام کی تعمیر کے لیے ہمیں مادہ پرستی کے چنگل سے نکل کر اسلامی تعلیمات کے مطابق عدل، ایثار اور دیانت داری کو اپنی معاشی سرگرمیوں کا محور بنانا ہوگا۔

قرآن وحدیث میں ذخیرہ اندوزی کی مذمت و وعید

جب تاجر یا مافیا (جیسے ادویات یا شوگر مافیا) مال کو گردش سے روک کر عوام کے لیے تنگی پیدا

کرتے ہیں اور اسے محض اپنے سرمائے میں اضافے کا ذریعہ بناتے ہیں، تو قرآنِ کریم ان کی سخت ترین الفاظ میں مذمت کرتا ہے۔ سورۂ توبہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''اور جو لوگ سونا اور چاندی (اور ہر قسم کا سرمایہ و مال) جمع کر کے رکھتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں (یعنی مخلوقِ خدا کی فلاح کے لیے) خرچ نہیں کرتے، تو آپ انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیں۔'' (سورۃ التوبہ، آیت: ۳۴)

اسی طرح سورۂ ہمزہ میں فرمانِ الٰہی ہے:

''تباہی ہے ہر ایسے شخص کے لیے جو (پیٹھ پیچھے) عیب ٹٹولنے والا اور (منہ پر) طعنہ دینے والا ہو، جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر (ذخیرہ بنا کر) رکھا، وہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال اسے ہمیشہ زندہ رکھے گا۔'' (سورہ ہمزہ، آیت: ۱-۳)

ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام میں سرمائے یا اجناسِ زندگی کو گردش سے روک کر گوداموں اور تجوریوں میں بند کرنا سنگین ترین الٰہی و معاشی جرم ہے۔ یہ قرآنی احکامات ثابت کرتے ہیں کہ مافیاز کا محض ذاتی منافع اور دولت کی ہوس میں اشیاء کو چھپا کر رکھنا دنیا میں معاشی تباہی اور آخرت میں دردناک عذاب کا باعث ہے۔ قرآن کریم کا اصل مقصد دولت کے ارتکاز کو توڑنا اور معاشی نظام کو مخلوقِ خدا کی فلاح اور باہمی ہمدردی کے اصولوں پر استوار کرنا ہے، لہٰذا دورِ فاروقی کا نظامِ حسبہ درحقیقت اسی قرآنی فکر کا عملی نفاذ تھا، تاکہ کوئی بھی سرمایہ دار مصنوعی قلت کے ذریعے عوام کا معاشی استحصال نہ کر سکے۔

احادیثِ مبارکہ میں بھی احتکار پر سخت وعیدیں آئی ہیں؛ چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بازار میں سودا لانے والے کو رزق ملتا ہے اور ذخیرہ اندوز ملعون ہے۔'' (أبو عبد الله محمد بن يزيد ابن ماجة، سنن ابن ماجة، كتاب التجارات، باب الحكرة)

خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت معاشی عدل اور مثالی نظم و ضبط کا عہدِ زریں ہے، جس میں آپ نے مارکیٹ میں اشیاء کی مصنوعی قلت پیدا کرنے والے ''ذخیرہ اندوزوں'' کے خلاف سخت انتظامی و تعزیری اقدامات اٹھائے۔ (أبو الفرج عبد الرحمٰن بن علي ابن جوزي، مناقب أمير المؤمنين عمر بن خطاب، بيروت: دار الكتب العلمية، ۱۹۸۷ء، ص: ۱۱۲)

ذخیرہ اندوزی کی لغوی و اصطلاحی تعریف

عربی زبان میں ذخیرہ اندوزی کے لیے ''احتکار'' کا لفظ استعمال ہوتا ہے، جو مادہ ''ح ک ر''

سے مشتق ہے۔ امام ابن منظور افریقیؒ کے مطابق لغت میں ''الاحتِکَار'' کے معنی ظلم، بدسلوکی اور کسی چیز کو روک لینے کے ہیں۔ جب کوئی تاجر غلہ روک لیتا ہے، تاکہ اسے مہنگا بیچے تو اسے ''محتکر'' کہا جاتا ہے۔ (محمد بن مکرم ابن منظور، لسان العرب، ص: ۲۰۸، ج: ۴، دار صادر، بیروت، ۱۹۹۴ء)

مفہوم کے اعتبار سے اس کا مطلب ہے: ''مستقبل میں زیادہ نفع کمانے کی غرض سے اشیائے ضرورت کو جمع کرنا اور بازار میں اس کی قلت پیدا کرنا۔'' فقہاء اور محدثین کے نزدیک احتکار کی تعریف میں بنیادی نکتہ ''عوام کو نقصان پہنچانا'' ہے۔ فقہ حنفی کی روشنی میں امام ابوحنیفہؒ اور ان کے تلامذہ کے نزدیک احتکار کی تعریف یہ ہے کہ شہر یا اس کے مضافات سے غلہ خرید کر اسے روک لینا، اس شرط کے ساتھ کہ اس عمل سے شہر کے لوگوں کو (قلت کی وجہ سے) نقصان اور تنگی پہنچے۔ جبکہ فقہِ مالکی، شافعی اور حنبلی (جمہور علماء) کے نزدیک احتکار ہر اس چیز میں ممنوع ہے جس کی لوگوں کو ضرورت ہو (یہ محض غلے تک محدود نہیں)؛ ان کے نزدیک تعریف یہ ہے کہ: ''کسی بھی ایسی چیز کو روک لینا جس کی لوگوں کو ضرورت ہو، تاکہ اسے قیمت بڑھنے پر بیچا جائے۔'' (يحيىٰ بن شرف نووي، المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج، بيروت: دار إحياء التراث العربي، ۱۳۹۲ھ، جلد: ۱۱، ص: ۴۲)

عہد فاروقی میں ذخیرہ اندوزی کے سدِ باب کے کلیدی اقدامات

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں ایک ایسا مانیٹرنگ سسٹم قائم کیا جو آج کے دور کے ''پرائس کنٹرول مجسٹریٹ'' سے کہیں زیادہ فعال تھا۔ آپ نے اس لعنت کو جڑ سے اکھاڑنے کے لیے مندرجہ ذیل اقدامات کیے:

نظامِ حسبہ کی تشکیل

علامہ بلاذریؒ کے مطابق حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مارکیٹ کے نظم و ضبط کو برقرار رکھنے اور صارفین کے حقوق کے تحفظ کے لیے نظامِ حسبہ کو باقاعدہ تنظیمی شکل دی اور منڈیوں میں معائنہ کار مقرر فرمائے۔ ان نگرانوں کی بنیادی ذمہ داری ترازو اور ناپ تول کے پیمانوں کی جانچ پڑتال کرنا، تجارتی ملاوٹ کو روکنا اور اشیاء کی قیمتوں پر نظر رکھنا تھی، تاکہ کوئی تاجر خریداروں کا استحصال نہ کر سکے۔ اس ضمن میں آپ نے خواتین کی انتظامی صلاحیتوں سے بھی فائدہ اٹھایا اور سیدہ شفاء بنت عبداللہ رضی اللہ عنہا کو مدینہ منورہ کے بازار کا معائنہ کار اور نگران مقرر فرمایا۔ سلطنت کے دیگر بڑے تجارتی مراکز میں بھی روزانہ کی بنیاد پر معاشی بدعنوانیوں کا سدِ باب کیا جاتا تھا۔

غیر ملکی تاجروں کی حوصلہ افزائی

آپ نے مدینہ منورہ کی مارکیٹ میں اشیاء کی مسلسل رسد برقرار رکھنے اور مقامی تاجروں کی ناجائز اجارہ داری کے خاتمے کے لیے ایک بہترین تجارتی پالیسی وضع فرمائی۔ آپ نے بیرونی تاجروں (نبطی اور دیگر تجارتی قافلوں) کو مدینہ کی منڈی میں مال لانے پر خصوصی مراعات دیں اور ان پر تجارتی ٹیکس (عشور) کی شرح مقامی غیر مسلم تاجروں کے مقابلے میں نصف یعنی صرف پانچ فیصد مقرر کی، جبکہ بعض اوقات غلے اور تیل پر اسے مزید کم کر کے محض پانچواں حصہ کر دیا۔ اس کا بنیادی مقصد مارکیٹ میں مسابقت کی فضا قائم رکھنا تھا، تاکہ بیرونی مال کی فراوانی کے باعث قیمتیں قابو میں رہیں اور مقامی تاجر گٹھ جوڑ نہ کر سکیں۔ (احمد بن یحییٰ البلاذری، فتوح البلدان)

بیت المال کا سرگرم کردار

ابن جریر طبریؒ کے مطابق عہد فاروقی میں قحط یا اشیاء کی قلت کے دوران مارکیٹ میں غلے کی براہِ راست سرکاری فراہمی کے ذریعے مصنوعی مہنگائی اور ذخیرہ اندوزی کا مؤثر خاتمہ کیا گیا۔ عام الرمادہ (قحط کے سال) کے دوران جب مدینہ منورہ میں اناج کی شدید قلت پیدا ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مصر، شام اور عراق کے گورنروں کو فوری غلہ بھجوانے کے احکامات جاری کیے اور دار الخلافہ میں سرکاری گودام قائم کر کے رسد کو بحال کیا۔ آپ نے اس غلے کو بلا تاخیر مارکیٹ اور ضرورت مندوں میں تقسیم کروایا، جس کے نتیجے میں مصنوعی قلت کا خاتمہ ہوا اور قیمتیں معمول پر آ گئیں۔ (ابوجعفر محمد بن جریر الطبری، تاریخ الامم والملوک: ۴/۹۸-۱۰۱، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۸۷ء)

سخت سزائیں اور جلا وطنی

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ذخیرہ اندوزوں (محتکرین) کے خلاف انتہائی سخت تادیبی اقدامات اُٹھائے اور اسے معاشرتی جرم قرار دیا۔ آپ نے مدینہ منورہ کی منڈی میں یہ واضح اعلان کروا رکھا تھا کہ جو شخص مسلمانوں کے رزق کو روک کر مہنگائی کا سبب بنے گا، اس کا مال بحقِ سرکار ضبط کر کے بازار میں سستے داموں بیچ دیا جائے گا۔ ایسے تاجر جو بار بار اس قبیح فعل کے مرتکب ہوتے اور عوامی تنبیہ کے باوجود باز نہ آتے، آپ سلطنتِ اسلامیہ کے مفاد اور عبرتِ عامہ کے لیے انہیں مدینہ منورہ سے جلا وطن (شہر بدر) کر دیتے تھے۔ (مالک بن انس، الموطا: دار احیاء التراث العربی، قاہرہ، ۱۹۹۰ء، کتاب البیوع، باب الحکرۃ والتربص)

بڑی منڈیوں اور تجارتی شاہراہوں کی نگرانی

آپ نے اسلامی ریاست کی تجارتی شاہراہوں اور بڑی منڈیوں کی نگرانی کے لیے سرحدی چوکیوں اور تجارتی راستوں پر باقاعدہ انسپکٹرز اور عشور (ٹیکس) وصول کرنے والے افسران کا تعین کیا، جو مالِ تجارت کی جانچ پڑتال کے ذمہ دار تھے۔ آپ نے باقاعدہ منظم قانون سازی کر کے شاہراہوں، گلیوں اور بین الاقوامی شاہراہوں کے طول وعرض کا حکم نامہ جاری کیا، تاکہ ترسیل سہل ہو۔ منڈیوں کو شہر کے ان علاقوں میں منتقل کیا گیا جہاں سے عوام اور تاجر دونوں کو آسانی ہو۔ (ابوعبید قاسم بن سلام، کتاب الاموال، مرتبہ: خلیل محمد ہرّ اس: دار الفکر، قاہرہ، ۱۹۸۸ء، ص: ۵۳۲-۵۳۴)

عصرِ حاضر کے تناظر میں معاشی اہمیت اور اطلاقی پہلو

آج کا دور ''کارپوریٹ کیپیٹل ازم'' کا دور ہے جہاں بڑی مچھلیاں چھوٹی مچھلیوں کو کھا رہی ہیں؛ مصنوعی قلت پیدا کرنا، کارٹل بنانا اور اشیائے ضرورت کو گوداموں میں چھپانا ایک عالمی مسئلہ بن چکا ہے۔ موجودہ دور کے معاشی بحرانوں کی ایک بڑی وجہ یہی ذخیرہ اندوزی ہے۔ عہد فاروقی کے معاشی اور تجارتی اصول موجودہ دور کے ان بحرانوں کا بہترین حل فراہم کرتے ہیں:

ریاستی مداخلت کا اختیار

اسلامی معیشت میں مارکیٹ کی آزادی کا احترام کیا گیا ہے، لیکن عوام کو معاشی ظلم سے بچانے کے لیے ریاست کو بوقتِ ضرورت مارکیٹ میں مداخلت کا مکمل قانونی اختیار حاصل ہے۔ جب تاجر گٹھ جوڑ، ذخیرہ اندوزی یا اجارہ داری کے ذریعے قیمتوں کو مصنوعی طور پر بڑھادیں، تو ریاست خاموش تماشائی نہیں رہ سکتی۔ حکومت کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ سپلائی چین کو خود بحال کرے، اشیاء کی منصفانہ قیمتیں مقرر کرے اور تادیبی کارروائی عمل میں لائے۔ عہدِ فاروقی کا یہ ماڈل جدید اقتصادیات کے اس تصور کی تائید کرتا ہے کہ مائیکرو لیول پر مارکیٹ فورسز کو متوازن رکھا جائے، لیکن میکرو اکنامک استحکام اور عوامی فلاح کے لیے ریاست کی سمارٹ ریگولیشن اور نگرانی کا ہونا ناگزیر ہے۔

مستحکم انتظامی واقلیتی فریم ورک

ان اصولوں کا سب سے اہم اطلاقی پہلو یہ ہے کہ جدید فلاحی ریاستیں مارکیٹ کو مکمل طور پر سرمایہ داروں کے رحم وکرم پر چھوڑنے کے بجائے قیمتوں میں استحکام اور سپلائی چین کی بحالی کے لیے براہِ راست

معاشی مداخلت کی پالیسی اپنائیں۔ ذخیرہ اندوزی، اسمگلنگ اور مصنوعی قلت پیدا کرنے والوں کے خلاف سخت سزائیں اور انتظامی کارروائی، دورِ حاضر میں صارفین کے حقوق کے تحفظ اور بلیک مارکیٹنگ کے خاتمے کی ضمانت بن سکتی ہے۔

صحت مند مسابقت اور مانیٹرنگ نیٹ ورک

اجارہ داری کے خاتمے کے لیے بین الاقوامی تاجروں کو میرٹ پر سہولیات دینا اور منڈیوں کی نگرانی کے لیے خودمختار معائنہ کاروں کا نیٹ ورک قائم کرنا، مارکیٹ میں صحت مند مسابقت اور شفافیت پیدا کرنے کا ناگزیر ذریعہ ہے۔ آج کے دور میں ان فاروقی اصلاحات کا عملی نفاذ کر کے کرپشن سے پاک تجارتی ماحول اور ایک مستحکم معاشی نظام کی بنیاد رکھی جاسکتی ہے۔

تاجروں کی اخلاقی تربیت

عہد فاروقی میں نظامِ حسبہ صرف معاشی معاملات تک محدود نہ تھا، بلکہ مارکیٹ میں تاجروں اور خریداروں کی اخلاقی تربیت اس کا ایک لازمی اور بنیادی حصہ تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا واضح فرمان تھا کہ ہماری مارکیٹ میں صرف وہی شخص تجارت کرے جو دین کے احکام اور تجارتی فقہ کا بنیادی علم رکھتا ہو، تاکہ نادانستگی میں بھی حرام یا سود کا شائبہ نہ ہو۔ اخلاقی زوال کو معاشی بگاڑ کی اصل جڑ مانتے ہوئے جدید دور میں بھی ٹیکس اور جرمانوں کے نفاذ کے ساتھ ساتھ تاجروں کے اندر خوفِ خدا اور جواب دہی کا احساس بیدار کرنا بہت ضروری ہے۔

حاصلِ مطالعہ

عہدِ فاروقی کا معاشی ماڈل یہ ثابت کرتا ہے کہ انفرادی ملکیت کے حق اور اجتماعی مفاد کے درمیان ایک مثالی اور متوازن حدِ فاصل قائم کی جاسکتی ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مارکیٹ فورسز کی آزادی کو برقرار رکھتے ہوئے بھی بحرانی کیفیت میں ریاستی مداخلت کے ذریعے عوامی استحصال کا سدِ باب کیا۔ مروجہ جدید مادی نظریات جہاں معاشی بحرانوں کو حل کرنے میں ناکام ہو جاتے ہیں، وہاں فاروقی ماڈل کے انسدادی قوانین کو جدید قانونی ڈھانچے میں نافذ کر کے موجودہ معاشی استحصال کا خاتمہ کیا جاسکتا ہے اور ترقی پذیر ممالک میں غذائی تحفظ اور قیمتوں کے استحکام کو یقینی بنایا جاسکتا ہے۔ یہ نظام معاشی استحکام بھی فراہم کرتا ہے اور پورے معاشی ڈھانچے کو اخلاقی بنیادوں پر اُستوار بھی کرتا ہے۔

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بچوں سے مشفقانہ ومُربّیانہ تعلق

مولوی محمد ہانی رفیق
متعلم معہد الخلیل الاسلامی، کراچی

یوں تو نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں ہر شخص کے ساتھ اچھا سلوک وروش اور ہر ایک کے حقوق کی پاسداری وادائیگی کا اہتمام ملتا ہے اور کیوں نہ ہو آخر نبی کائنات صلی اللہ علیہ وسلم صدق وراست بازی، امانت و دیانت، فیاضی و کریمی، چشم پوشی وبخشش، مساوات و عدل، ایفائے عہد، جرأت و بہادری، جواں مردی و دستگیری، اُخوت و بھائی چارگی، رواداری و بردباری، تواضع وانکساری، طہارت و پاکیزگی، نفاست ونظافت، صبر واستقامت، وسطیت ومیانہ روی، شرم وحیاء، اورعزم مصمم وجواں حوصلگی جیسی صفات کمالیہ کا جامع اور حسن و جمال، قرب ونوال، تعلق واتصال، جاذبیت ودل کشی، خوب صورتی وخوب روئی، اور رعنائی وزیبائی جیسے اوصافِ جمالیہ کے مظہراتم تھے، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کے ساتھ رکھ رکھاؤ، ان کے ذہنی تأثرات وجذبات کی پاسداری اور ان کی پرداخت وتادیب میں بھی سارے عالم کے لیے بہترین نمونہ ہیں۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کے ساتھ شفیق ومہربان تھے، ان کا بوسہ لیا کرتے، مزاح فرماتے، معانقہ کرتے، مصافحہ فرماتے اور جب بھی بچوں کے پاس سے گزرتے تو انہیں سلام کرتے، تاکہ ان کے دلوں میں سلام کی اہمیت پیدا ہوجائے، اسی طریقے سے جب انس بن مالک رضی اللہ عنہ (جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص خادم تھے) بچوں کے پاس سے گزرتے تو سلام کرتے اور کہا کرتے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کرتے تھے۔ (۱)

بچے معصوم ہوتے ہیں، وہ اس گلستانِ رنگ وبو میں پھولوں کی سی حیثیت رکھتے ہیں، انہی کی تابانی سے رونقِ جہاں قائم ودائم ہے، ان کی ایک ایک ادا اور ناز ونخرے ماں باپ کے لیے آبِ حیات کی حیثیت رکھتے ہیں، ان ہی کی عیش وعشرت اور راحت وآرام کے لیے ماں باپ رات دن ایک کرتے ہیں۔ اسلامی تعلیمات نے بڑوں، بوڑھوں اور بزرگوں کی عزت اور ان سے حسن سلوک سے پیش آنے کے ساتھ ساتھ

معصوم بچوں سے بھی شفقت واُلفت، مہربانی وعنایت، رکھ رکھاؤ، اچھا سلوک و برتاؤ اور ان کے احساسات و جذبات کی پاسداری کرنے کی بارہا تاکید کی، جس کا مصداق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری سیرت ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اندازِ تربیت سب سے بہترین اور منفرد تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بچوں کے ساتھ مشفقانہ برتاؤ ہر شخص کے لیے رہنما اور رہبر کی حیثیت رکھتا ہے، بسا اوقات حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بچوں کے ساتھ مشفقانہ برتاؤ اور ان کے ساتھ مزاح و خوش مزاجی کو دیکھ کر تعجب بھی ہوتا تھا کہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر بڑی شخصیت، پیغمبر اور رسالت کے مقام پر فائز ہو کر بھی بچوں کے ساتھ اس قدر رحمت وشفقت کا برتاؤ کرتے ہیں۔

بچوں سے خوش مزاجی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صرف بڑوں اور بوڑھوں سے ہی نہیں، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم معصوم بچوں سے بھی اکثر و بیشتر خوش مزاجی سے پیش آتے تھے اور کبھی کبھی ان سے مزاح بھی فرما لیا کرتے تھے، کثیر تعداد میں ایسی احادیث نبویؐ موجود ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بچوں سے پر بہار خوش مزاجی کو عیاں کرتی ہیں، چناں چہ:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہا: ’’میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کسی کو اپنی اولاد پر شفیق نہیں دیکھا۔‘‘ (۲)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ’’اُم سلمہؓ کی لڑکی زینب سے کھیلتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: اے چھوٹی سی زینب! اے چھوٹی سی زینب!۔‘‘ (۳)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے چھوٹے بھائی ’’ابوعمیر‘‘ نے نغیر (جو ایک پرندہ کا نام ہے) پالا تھا، وہ اس کے ساتھ کھیلتے تھے، جب وہ پرندہ مر گیا تو باوجود جاننے کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے (مزاحاً) فرمایا: ’’يا أبا عمير! ما فعل النغير؟‘‘، ترجمہ: ’’اے ابوعمیر! تمہارا نغیر کہاں گیا؟‘‘ (۴)

بچوں سے معانقہ

حضرت یعلی بن مرہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے اور ہمیں کھانے کے لیے بلایا گیا تو راستہ میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کھیلتے مل گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم جلدی سے لوگوں سے آگے بڑھے اور اپنا ہاتھ پھیلا دیا (پکڑنے کے لیے) وہ اِدھر اُدھر بھاگنے لگے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسا رہے تھے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پکڑ لیا، آپ نے ایک ہاتھ ٹھوڑی پر اور دوسرا سر پر رکھا، پھر معانقہ فرمایا اور کہا: ’’حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں، خدا اُس سے محبت کرے جو حسین سے محبت کرے، یہ میری اولاد ہے۔‘‘ (۵)

عبداللہ بن حارث کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ، عبیداللہ اور کثیر- جو کہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے صاحبزادگان تھے- کو ایک صف میں کھڑا کرتے اور فرماتے کہ: ''جو میرے پاس پہلے آئے گا، اسے یہ یہ ملے گا۔'' چنانچہ یہ سب دوڑ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے، کوئی پشت پر گرتا اور کوئی سینہ مبارک پر آ کر گرتا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم انہیں پیار کرتے اور اپنے جسم کے ساتھ لگاتے۔ (۶)

محبت وشفقت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسنؓ کا بوسہ لیا تو اقرع بن حابسؓ مجلس میں موجود تھے، انہوں نے کہا: میرے تو اس قدر لڑکے ہیں، میں کسی کا بوسہ نہیں لیتا ہوں، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جائے گا۔'' (۷)

سیدنا براء (بن عازب) رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو کندھے پر اُٹھا رکھا تھا، اور فرما رہے تھے: ''اے اللہ! میں اس سے محبت کرتا ہوں، تو بھی اس سے محبت فرما۔'' (۸)

عمرو بن سعید نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی، کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کسی کو اپنی اولاد پر شفیق نہیں دیکھا، (آپ کے فرزند) حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ مدینہ کی بالائی بستی میں دودھ پیتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لے جاتے اور ہم بھی آپ کے ساتھ ہوتے تھے، آپ گھر میں داخل ہوتے تو وہاں دھواں ہوتا، کیونکہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کا رضاعی والد لوہار تھا۔ آپ بچے کو لیتے، اسے پیار کرتے اور پھر لوٹ آتے۔ (۹)

احساسات وجذبات کا خیال

بچوں کے حقوق ادا کرنا، ان کے احساسات کی رعایت کرنا اور ان کی جائز بات کو پورا کرنا بچوں کے دماغوں میں مثبت فکر پیدا کرتا ہے اور وہ اس سے سمجھتے ہیں کہ زندگی لین دین کا نام ہے اور اس سے بچے حق بات کو قبول کرنے کے عادی بنیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں جب کوئی چیز پیش کی جاتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلے بچوں کو پلاتے، اسی طریقے سے جب نماز کے دوران کسی بچے کے رونے کی آواز آتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کو مختصر فرما دیتے، تاکہ اس کی ماں بے چین نہ ہو، اس کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ میں ایسے بے شمار واقعات موجود ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ حسنہ کا منہ بولتا ثبوت ہیں:

- سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پینے کی چیز پیش کی

گئی تو آنحضرت ﷺ نے اس میں سے کچھ نوش فرمایا، اس وقت آپ ﷺ کی دائیں جانب ایک لڑکا بیٹھا تھا اور بائیں جانب بزرگ حضرات بیٹھے تھے، آپ ﷺ نے اس لڑکے سے فرمایا کہ: ’’کیا تم اجازت دیتے ہو کہ میں ان بزرگوں کو برتن دے دوں؟‘‘ اس لڑکے نے کہا کہ: نہیں، یا رسول اللہ! میں آپ سے بچے ہوئے اپنے حصہ پر کسی کو ترجیح نہیں دوں گا، (یہ سن کر) رسول اکرم ﷺ نے (برتن) اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔‘‘(۱۰)

● ام خالد بنت خالد بن سعید رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اپنے والد کے ساتھ حاضر ہوئی‘ میں اس وقت ایک زرد رنگ کی قمیص پہنے ہوئے تھی۔ نبی کریم ﷺ نے اس پر فرمایا: ’’سنہ سنہ‘‘ عبداللہ نے کہا: یہ لفظ حبشی زبان میں عمدہ کے معنی میں بولا جاتا ہے۔ انہوں نے بیان کیا کہ پھر میں مہرِ نبوت کے ساتھ (جو آپ کے پشت پر تھی) کھیلنے لگی تو میرے والد نے مجھے ڈانٹا‘ لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ’’اسے مت ڈانٹو‘‘ پھر آپ ﷺ نے ام خالد کو (درازیِ عمر کی) دعا دی کہ اس قمیص کو خوب پہن اور پرانی کر‘ پھر پہن اور پرانی کر‘ اور پھر پہن اور پرانی کر‘ عبداللہ نے کہا کہ: چنانچہ یہ قمیص اتنے دنوں تک باقی رہی کہ زبانوں پر اس کا چرچا آ گیا۔ (۱۱)

● حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: آپ ﷺ سجدہ فرماتے تو حضرات حسنین رضی اللہ عنہما (جو اس وقت چھوٹے بچے تھے) آپ ﷺ کی پیٹھ پر سوار ہوجاتے تو ایسی حالت میں نبی کریم ﷺ (رعایتاً) سجدہ لمبا فرما دیتے۔ (۱۲)

بچے نماز میں کھیل رہے ہوتے تھے، چونکہ یہ ان کی فطرت ہے تو آپ ﷺ رعایت کرتے، اظہارِ اُلفت فرماتے، برداشت کرلیتے مگر غصہ نہ ہوا کرتے۔

بچوں کے لیے دعائیں

رسول اکرم ﷺ جیسے شفیق و مہربان انسان کا تجربہ تاریخ انسانی آج تک نہیں کرسکی، چاہے وہ بڑوں، بوڑھوں کے ساتھ ہو یا معصوم بچوں کے ساتھ، اسی شفقت و رحمت کا تقاضا تھا کہ شافعِ محشر ﷺ بچوں کو برکت کی، عمر درازی کی اور دیگر دعائیں دیا کرتے:

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ: ’’رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں بچے لائے جاتے، آپ ﷺ ان کے لیے برکت کی دعا فرماتے۔‘‘(۱۳)

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میری والدہ (ام سلیم رضی اللہ عنہا) نے کہا: یا رسول اللہ! انسؓ آپ کا خادم ہے، اس کے لیے دعا فرما دیں، نبی کریم ﷺ نے دعا کی کہ: ’’اے اللہ! اس کے مال و اولاد کو زیادہ کر اور جو کچھ تو نے اسے دیا ہے اس میں برکت عطا فرما۔‘‘ (۱۴)

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میرے گھر ایک لڑکا تولُّد ہوا، میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام ابراہیم رکھا، کھجور سے اس کی تحنیک فرمائی، اور اس بچے کے لیے برکت کی دعا فرمائی۔ (۱۵)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حق میں دعا فرمائی: ''اے اللہ! اسے دین کی سمجھ عطا فرما اور تاویل (تفسیر) کا علم سکھا۔'' (۱۶)

بچوں کے ساتھ کھیل فرماتے

سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے اور حسنؓ و حسینؓ کھیلتے کھیلتے آپ کی پیٹھ پر بیٹھ گئے، صحابہؓ نے انہیں دور کرنے کی کوشش کی، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: ''میرے ماں باپ تم لوگوں پر قربان ہوں، ان کو چھوڑ دو، جو مجھ سے محبت کرتا ہے، وہ ان سے بھی محبت کرے۔'' (۱۷)

شاگرد بچے

ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے ساری انسانیت کے لیے معلم بنا کر مبعوث فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''إِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّماً''، ترجمہ: ''میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔'' (۱۸) چناں چہ جو تعلیمات حضرت جبرائیل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لاتے، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کو سکھاتے اور ان صحابہؓ (شاگردوں) میں بچے بھی ہوا کرتے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اپنے وقت کے بڑے بڑے فقہاء اور ائمہ کہلائے:

- معلمِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی درس گاہ میں سیرتِ طیبہ کے علوم کو جمع کر کے دنیا کے ہر خطے میں پہنچانے کی ذمہ داری اکابر صحابہؓ کے ساتھ ساتھ معصوم بچوں نے بھی بچپن ہی سے ذہن نشین کر لی تھی جس کا منہ بولتا ثبوت یہ ہے: ''حضرت محمود بن لبید انصاری رضی اللہ عنہ (۱۹) عہدِ رسالت میں پیدا ہوئے اور مدینہ ہی میں رہے (علم بھی وہیں سے حاصل کیا) اور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم سے علمِ حدیث حاصل کر کے دوسروں تک پہنچایا۔'' (۲۰)
- اہلِ خانہ کو سلام کرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ مبارکہ تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کو بھی اس کی تلقین کرتے، چناں چہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا: ''اے انس! جب تو اپنے گھر والوں کے پاس جائے تو سلام کر، اس سے تجھ پر اور تیرے گھر والوں پر برکت ہوگی۔'' (۲۱)
- حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ انہی شاگردوں میں سے ایک نمایاں شاگرد رہے ہیں اور تو

اور وہ اور اُن کی والدہ قرآن مجید کی ایک آیت (۲۲) کے مصداق بھی ٹھہرے۔ ۸ ھ میں مدینہ منورہ آئے، اکثر و بیشتر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آجایا کرتے۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ وضو فرما رہے تھے اور مسورؓ آپ ﷺ کی پشت پر کھڑے تھے، اتفاقاً پشت سے چادر ہٹ گئی اور خاتمِ نبوت ﷺ نظر آنے لگی، ایک یہودی ادھر سے گزرا، اس نے سیدنا مسورؓ سے کہا: ''محمد (ﷺ) کی پیٹھ سے چادر ہٹا دو!'' مسورؓ بچے تھے، ہٹانے لگے تو آپ ﷺ نے ان کے منہ پر پانی کا چھینٹا مارا۔''(۲۳)

یہ واقعات رسول اللہ ﷺ کے اخلاقِ کریمانہ اور اطوارِ زاہدانہ کی ایک جھلک ہیں، جس کی روشنی سے ہم اپنی زندگی کے ہر ہر گوشے کو تابندہ کر سکتے ہیں۔ ان تمام تر روایات میں نبی کریم ﷺ کے بچوں کے ساتھ سلوک و برتاؤ، ان کی خیر اندیشی و دل جوئی اور ان کی نہایت شفیقانہ انداز میں تربیت وتعلیم کا نمونہ ملتا ہے۔ سیرتِ نبویؐ کے ان واقعات کے مطالعہ کے بعد اپنے بچوں یا عام بچوں کے ساتھ اپنے برتاؤ اور سلوک کو دیکھ لیں کہ ہمارا بچوں کے ساتھ سلوک و برتاؤ کیسا ہے؟ کیا ہم ان کے ساتھ محبت وشفقت کرتے ہیں؟ ان کی دل جوئی اور کھیل کود کا سامان کرتے ہیں؟ اور ہمارا رویہ بچوں کو کسی چیز کے ٹوکنے کے وقت وہی ہے جو آپ ﷺ کا تھا یا ہم بچوں کو سوائے سرزنش، لعنت و ملامت کے کسی اور زبان سے سمجھا ہی نہیں سکتے؟ بچوں سے برتاؤ اور سلوک بھی سیرتِ نبویؐ کا اہم اور روشن پہلو ہے۔

دیکھیے! رسولِ کریم ﷺ بچوں کے ساتھ کتنے خوش مزاج تھے، ہمیشہ محبت وشفقت فرماتے، بوسہ لیتے، معانقہ و مصافحہ کرتے، رخسار اور سر پر محبوبانہ انداز میں ہاتھ پھیرتے اور کھیل فرماتے۔ بچے پیٹ مبارک پر سو جاتے، سینے مبارک پر کھیلتے، یہاں تک کہ ایک بار کسی بچہ نے پیشاب کر دیا، لیکن ہمیشہ غضب و غصہ پر رحمت، شفقت اور شانِ جمال غالب رہتی۔ تاہم بسا اوقات آنحضرت ﷺ تربیتی غرض سے تنبیہ بھی فرما دیتے، کان پکڑ لیتے، مگر یہ سب از راہِ اُلفت ومحبت ہوتا۔

محسنِ انسانیت ﷺ نے بچوں سے شفقت و اُلفت کے جو مختلف و متفرق خوب صورت انداز بتلائے اور سکھائے ہیں وہ ہر ایک انسان کے لیے باعثِ تقلید ہیں، مثلاً: پیدائش سے پہلے کے حقوق: نام، تحنیک، عقیقہ، رضاعت، تربیت و کفالت، جذبات کی رعایت، ماں کے پیار سے محروم نہ کرنا، حبِ رسول ﷺ، نماز اور دیگر بنیادی چیزوں کی تعلیم وتلقین وغیرہ۔ ان سب پر عمل پیرا ہونا دونوں جہانوں کی فلاح و کامیابی ہے، لہٰذا ہمیں چاہیے کہ بچوں پر اپنا رعب و وقار نہ جھاڑیں، ہر وقت گرج برس، ڈانٹ ڈپٹ بھی نہ کریں، جیسے کہ کچھ لوگوں کی عادت ہوتی ہے، یہ طرزِ عمل حسنِ اخلاق اور سیرتِ طیبہ کے خلاف ہے۔

غور کیجیے! آپ ﷺ نے نہ صرف یہ کہ اپنی اولاد سے خود محبت فرمائی، بلکہ امت کو بھی اس کی تعلیم دی، اور رحیمانہ سلوک کے ترک پر تحدید فرمائی کہ وہ شخص عند اللہ بھی قابلِ رحم نہیں۔ رسول پاک ﷺ بچوں کو

اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلاتے جس سے بچوں کی دل جوئی کے ساتھ ساتھ تربیت کا سامان بھی ہوتا تھا، چناں چہ ایک مرتبہ حضرت عمرو بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا رہے تھے کہ آپؓ کا ہاتھ پلیٹ میں کبھی اِدھر پڑتا، کبھی اُدھر۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس انداز سے سمجھایا کہ انہیں محسوس ہی نہیں ہوا کہ غلطی پر ٹوکا جا رہا ہے یا آداب سکھائے جا رہے ہیں، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''يَا غُلَامُ، سَمِّ اللهَ، وَكُلْ بِيَمِيْنِكَ، وَكُلْ مِمَّا يَلِيْكَ ''(۲۴)

ترجمہ: ''اے بچے! جب کھانا کھاؤ تو اللہ کا نام لو، اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے سامنے سے کھاؤ۔''

تربیت کرنے والوں کے لیے اس فرمان میں سیکھنے کے لیے بہت کچھ ہے کہ ابتداءً ٹوکنے کے بجائے کچھ آداب بیان کرنے کی وجہ سے انداز بھی مثبت رہا اور مقصود بھی حاصل ہو گیا، یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرو بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میرے کھانے کا انداز ویسا ہی رہا جیسا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا تھا۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں کو اپنے قریب رکھا، حتیٰ کہ بچوں کے کھیل کا بھی لحاظ کیا، اگر کسی موقع پر وہ نماز میں پیٹھ مبارک پر سوار ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی دل بستگی کا بھرپور خیال فرمایا۔

سیدنا شداد بن ہاد سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ظہر یا عصر میں سے کسی نماز کے لیے باہر تشریف لائے تو سیدنا حسن یا حسین رضی اللہ عنہما کو اُٹھائے ہوئے تھے، آگے بڑھ کر انہیں ایک طرف بٹھا دیا اور نماز کے لیے تکبیر کہہ کر نماز شروع کر دی، سجدے میں گئے تو اسے خوب طویل کیا، میں نے درمیان میں سر اُٹھا کر دیکھا تو بچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت پر سوار تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں تھے، میں یہ دیکھ کر دوبارہ سجدے میں چلا گیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آج تو آپ نے اس نماز میں بہت لمبا سجدہ کیا، ہم تو سمجھے کہ شاید کوئی حادثہ پیش آ گیا ہے یا آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان میں سے کچھ بھی نہیں ہوا، البتہ میرا یہ بیٹا میرے اوپر سوار ہو گیا تھا، میں نے اسے اپنی خواہش کی تکمیل سے پہلے جلدی میں مبتلا کرنا اچھا نہ سمجھا (یعنی بچہ کے اُترنے سے پہلے خود اٹھنا)۔ (۲۵)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف یہ کہ بچوں سے خود شفقت فرمائی، بلکہ امت کو بھی اس کی تعلیم دی، اور بچوں سے مشفقانہ سلوک نہ کرنے والے کے سلسلے میں فرمایا:

''لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَلَمْ يُوَقِّرْ كَبِيْرَنَا ''(۲۶)

ترجمہ: ''جو چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور بڑوں کی تعظیم نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں۔''

اللہ رب العزت قدم قدم پر اتباعِ سنت سے سرشار فرمائے۔ (آمین)

حوالہ جات

١- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ، اَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنْ سَيَّارٍ، عَنْ ثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ، عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : اَنَّهُ مَرَّ عَلٰى صِبْيَانٍ، فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ وَقَالَ : كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُهُ . (رواه البخاري: ٦٢٤٧، كتاب الاستئذان، باب التَّسْلِيمِ عَلَى الصِّبْيَانِ)

٢-عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: " مَا رَاَيْتُ اَحَدًا كَانَ اَرْحَمَ بِالْعِيَالِ، مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (رواه مسلم: ٦٠٢٦، كتاب الفضائل، باب رحمته صلى الله عليه وسلم الصبيان والعيال وتواضعه وفضل ذلك)

٣- كنز العمال، ج:٧، ص:١٤٠، رقم: ١٨٤٠٣

٤- سنن الترمذي: ١٩٨٩ (كتاب البر والصلة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب مَا جَاءَ فِي المزاحِ)

٥- الأدب المفرد، باب معانقة الصبي، رقم: ٣٦٤

٦- مسند أحمد: ١٨٣٦

٧- الأدب المفرد، باب قبلة الصبيان، رقم: ٩١

٨- الأدب المفرد، باب حمل الصبي على العاتق، رقم:٨٦

٩- رواه مسلم: ٢٣١٦، كتاب الفضائل، باب رحمته صلى الله عليه وسلم الصبيان والعيال وتواضعه وفضل ذلك

١٠- صحيح مسلم، كتاب الأشربة، حديث: ٥٢٩٢

١١-صحيح البخاري، كتاب الجهاد والسير، حديث: ٣٠٧١

١٢- عن أنس رضي الله عنه قال : كان رسول الله ﷺ يسجد فيجيء الحسن أو الحسين فيركب على ظهره فيطيل السجود. فيقال : يا نبي الله! أطلت السجود، فيقول : ارتحلني ابني فكرهت أن أعجله. (أبو يعلى، المسند، ٦ : ١٥٠، رقم : ٣٤٢٨)

١٣- عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا، قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُؤْتَى بِالصِّبْيَانِ، فَيَدْعُو لَهُمْ بِالْبَرَكَةِ . (سنن أبي داود: ٥١٠٦)

١٤- صحيح البخاري، كتاب الدعوات، حديث: ٦٣٤٤

١٥- صحيح البخاري، كتاب العقيقة، حديث: ٥٤٦٧

١٦-عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِي بَيْتِ مَيْمُونَةَ، فَوَضَعْتُ لَهُ وَضُوْءًا مِنَ اللَّيْلِ، قَالَ: فَقَالَتْ مَيْمُوْنَةُ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ! وَضَعَ لَكَ هٰذَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبَّاسٍ ، فَقَالَ : " اللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّينِ، وَعَلِّمْهُ التَّأوِيلَ ." (مسند أحمد، الرقم:٣٠٣٢)

١٧- سلسلة أحاديث صحيحة، الأذان و الصلاة، حديث: ٧٨٩

١٨- سنن ابن ماجة، الرقم:٢٢٩

١٩- فتح الباري لابن حجر: ٤٨٤/ ٢، تحت الحديث: ٤٥٠- الاستيعاب في معرفة الأصحاب، ٤٣٥/ ٣

٢٠- أسد الغابة: ١٢٢/ ٥

٢١- شعب الإيمان، الرقم: ٨٧١

٢٢- النساء:٩٧

٢٣- دلائل النبوة، باب صفة خاتم النبوة

٢٤- صحيح البخاري، الرقم: ٥٣٧٦

٢٥- مسند أحمد، الرقم : ١٦٠٣٣

٢٦- الأدب المفرد، رقم : ٣٥٨

ماہِ صفر المظفر کی اہمیت وفضیلت

مولانا محمد عرفان اللہ اختر
خان پور

صفر ہجری سال کے بارہ مہینوں میں سے دوسرا مہینہ ہے، جو کہ محرم الحرام کے بعد آتا ہے، اس کے بارے میں کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ اس ماہ میں عرب کے لوگ مختلف مقامات سے اناج اکٹھا کرنے کے لیے گھروں سے نکلتے تھے، جس کی وجہ سے ان کے گھر خالی ہوجاتے تھے، اس لیے اس مہینے کو ’’صفر‘‘ کہتے تھے۔‘‘

اہلِ عرب ’’أشھر حرم‘‘ (حرمت والے مہینے) کا احترام کرتے تھے، ان میں لوٹ مار، قتل وغارت کو حرام سمجھتے تھے، جب محرم کا مہینہ ختم ہوجاتا تھا، تو اہلِ عرب صفر کا مہینہ شروع ہوتے ہی جنگ کے لیے چلے جاتے، اور گھروں کو خالی چھوڑ دیتے تھے، اس مناسبت سے بھی اس مہینے کو ’’صفر‘‘ کہا گیا ہے۔ (لسان العرب، از ابن منظور)

بعض لوگ صفر کے مہینے کے ساتھ ’’المظفر‘‘ یا ’’الخیر‘‘ کا اضافہ کرتے ہیں، اور اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ ’’مظفر‘‘ کے معنی کامیابی، اور ’’خیر‘‘ کے معنی نیکی، سلامتی اور برکت کے ہیں، چونکہ زمانۂ جاہلیت میں عرب کے لوگ صفر کے مہینے کو منحوس اور بُرا سمجھتے تھے اور اس مہینے کے متعلق یہ خیال رکھتے تھے کہ اس مہینے میں آفات ومصائب نازل ہوتی ہیں، اور آج بھی بعض لوگ اس مہینے کو منحوس سمجھتے ہیں، اس لیے اس مہینے کو ’’صفر المظفر‘‘ یا ’’صفر الخیر‘‘ کہتے ہیں، تاکہ اسے نحوست والا مہینہ نہ سمجھا جائے، بلکہ کامیابی اور خیر کا مہینہ سمجھا جائے۔

واضح رہے کہ اس مہینے کے ساتھ ’’المظفر‘‘ یا ’’الخیر‘‘ کا اضافہ کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے۔

عام طور پر لوگ صفر کو ’’صفر الخیر‘‘ کہتے ہیں، بظاہر اس نام سے ان لوگوں کے غلط عقیدہ کی

تردید مقصود ہوتی ہے، جو اس مہینے کو منحوس سمجھتے ہیں، یا پھر وہ لوگ صفر کو منحوس سمجھتے ہوئے، اس کے شر کو کم کرنے کے لیے نیک فال کے طور پر ''صفر الخیر'' کہہ دیتے ہیں، لہٰذا صفر کے ساتھ ''الخیر'' یا ''المظفر'' کا لاحقہ لگانے کو اس مہینہ کے نام کا لازمی حصہ نہیں سمجھنا چاہیے، تاہم لازمی حصہ یا احادیث سے ثابت شدہ سمجھے بغیر ''صفر المظفر'' یا ''صفر الخیر'' کہنے کی گنجائش ہے۔ (معجم المناهي اللفظية وفوائد)

تاریخ اسلام میں اس مہینے کو ممتاز حیثیت حاصل ہے، اس مہینے کی ستائیس تاریخ کو حضور اکرم ﷺ نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی جو غلبۂ اسلام اور اسلامی ریاست کے قیام کا باعث بنی اور پوری دنیا میں جو اسلام پھیلا اس کا آغاز بھی مدینہ منورہ سے ہوا، گویا پوری دنیا میں جو ظلمت چھائی ہوئی تھی اور ہر طرف خزاں تھی اس کا خاتمہ اسلام کی روشنی اور بہار کے ذریعے مدینہ منورہ سے ہوا۔

پھر اسی ماہ صفر میں دو ہجری کو آپ ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اپنی چہیتی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح فرمایا تھا، جن سے آنحضرت ﷺ کی نسل چلی جو قیامت تک رہے گی۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: جاہل عورتیں ذی قعدہ کو خالی کا چاند کہتی ہیں اور اس میں شادی کرنے کو منحوس سمجھتی ہیں، یہ اعتقاد بھی گناہ ہے، اس سے توبہ کرنی چاہیے، اسی طرح بعض جگہ تیرہ تاریخ صفر کے مہینے کو نامبارک سمجھتی ہیں۔ یہ سارے اعتقاد شرع کے خلاف اور گناہ ہیں، ان سے بھی توبہ کرنی چاہیے۔ (اسلامی شادی)

واضح رہے کہ شریعت میں سال کے بارہ مہینوں اور دنوں میں کوئی مہینہ یا دن ایسا نہیں جس میں نکاح کی تقریب مکروہ اور ناپسندیدہ ہو یا اس میں نکاح منحوس اور شادی ناکام ہو جاتی ہو۔

آج کل مسلمانوں میں بھی اسلامی تعلیمات کی کمی کی وجہ سے یہ تمام خرافات ذہنوں میں راسخ ہو چکی ہیں، جس کی وجہ سے لوگ صفر کے مہینے کو منحوس سمجھتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''چھوت چھات (بیماری کا دوسرے سے لگنے کا وہم) اور اُلو (کو منحوس سمجھنے) اور صفر (کے مہینہ کو منحوس سمجھنے) کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔'' (بخاری شریف)

اس حدیث مبارکہ میں رسول اللہ ﷺ نے بڑے واضح انداز میں توہم پرستی، چھوت چھات اور صفر کے مہینے کو منحوس سمجھنے کی نفی فرمائی ہے، لہٰذا کسی وقت اور زمانے میں کوئی نحوست اور برائی نہیں ہے۔

آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ:

’’لا عدوی ولا صفر ولا غول.‘‘ (مسلم شریف)

ترجمہ: ’’مرض کے متعدی ہونے، صفر اور غول کی کوئی حقیقت نہیں۔‘‘

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: ابن آدم مجھے تکلیف پہنچاتا ہے، زمانے کو برا بھلا کہتا ہے، حالانکہ میں ہی زمانہ کا پیدا کرنے والا ہوں، میرے ہی ہاتھ میں تمام کام ہیں، میں جس طرح چاہتا ہوں رات اور دن کو پھیرتا رہتا ہوں۔‘‘ (بخاری شریف)

لہٰذا معلوم ہوا کہ نحوست کی اصل وجہ زمانہ وغیرہ نہیں ہے، نہ کوئی دن منحوس ہے اور نہ کوئی مہینہ، بلکہ نحوست کی اصل وجہ انسان کے اپنے برے اعمال ہیں، جیسا کہ سورۃ الشوریٰ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

’’جو مصیبت بھی تم پر پڑتی ہے، وہ تمہارے کیے ہوئے اعمال کی وجہ سے ہوتی ہے۔‘‘ (الشوریٰ:۳۰)

اور اسی طرح اس ماہِ صفر المظفر کے اختتام پر آپس میں خوش خبریاں سناتے پھرتے ہیں، گویا کوئی بہت بڑی مصیبت ٹل گئی ہو اور خوشی کی انتہا کہ پھولے نہیں سماتے۔ ان لوگوں کا یہ حال ان کے غلط عقیدے کی وجہ سے ہے، ان کا عقیدہ ہے کہ اس ماہ میں سخت مصائب کا سامنا ہوتا ہے، پریشانیوں اور دکھوں کا نزول اور آزمائش و آفات کا وقوع ہوتا ہے، اسی طرح کی اور بھی بہت سی بے بنیاد باتیں ہیں، یہ سراسر باطل عقیدہ ہے اور جاہلیت کی باقیات میں سے ہے۔

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

مولانا ڈاکٹر عبدالشہید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا ڈاکٹر عبدالقیوم سندھی
مکہ مکرمہ

برادرِ محترم جناب ڈاکٹر عبدالشہید نعمانی صاحبؒ کی رحلت سے اہل پاکستان عموماً اور اہلِ کراچی خصوصاً ایک عظیم باپ کے عظیم بیٹے، عظیم اسکالر، باذوق محقق، محترف مصنف، عظیم استاذ اور ایک عظیم اداری رہنما وشخصیت سے محروم ہوگئے، إنا لله وإنا إليه راجعون، إن لله ما أخذ ولهٗ ما أعطى وكل شيء عندهٗ بأجل مسمى!

اگرچہ حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالشہید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ ہم سے عمر میں زیادہ بڑے نہیں تھے، مگر اپنے والد بزرگوار ہمارے شیخ علامہ مولانا عبدالرشید نعمانی (برد الله مضجعهٗ ونور الله مرقدهٗ) اور ذاتی علمی تعلق کی وجہ سے ہم ایسوں سے بہت بڑے لگتے تھے!

سن ۱۹۸۰ / ۸۱ میں جب بندہ بنوری ٹاؤن کے درجہ تخصص فی الفقہ الاسلامی کے دوسرے سال مقالہ لکھنے کے مرحلہ میں پہنچا تو حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ جن سے ہم دورہ حدیث شریف کے سال موطأین اور ابن ماجہ وغیرہ پڑھ چکے تھے اور اسی نسبت سے تخصص شروع ہوتے ہی حضرت کی خدمت میں دعوت وتحقیق اسلامی کے دفتر ومکتبہ میں- جو اس وقت بھی بنوری ٹاؤن کی جامع مسجد کے غربی جانب سڑک کے اس پار تھا، جس طرف آج کل مدرسین کی رہائش گاہیں بنی ہوئی ہیں- حاضری دے کر مستفید ہوتے رہتے تھے۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ ہی کے مشورے اور تعاون سے فقیہِ سندھ مشہور محدث وسیرت نگار امام محمد ہاشم ٹھٹھوی رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ (كشف الرين عن مسئلة رفع اليدين) ایڈٹ کرنے کے لیے اختیار کیا تو اس کے لیے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے خود فرمایا کہ: دو نسخے تو ہم آپ کو فراہم کرتے ہیں، ایک وہ جو انڈیا میں حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری صاحب بذل المجہود رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے اردو ترجمے کے ساتھ

چودھویں صدی ہجری شروع ہونے سے قبل چھپا تھا، اور دوسرا میرے بیٹے عبدالشہید نے ٹنڈو سائیں داد کے ایک کتب خانے میں موجود ایک قلمی نسخے سے اپنے قلم سے نقل کیا ہے۔

ان دونوں نسخوں کے حصول کے لیے حضرت نے کراچی یونیورسٹی کی چار دیواری کے اندر برادرم عبدالشہید صاحب کے گھر بلایا، جہاں حضرت بھی ان کے ساتھ قیام پذیر تھے۔ ہم حضرت شیخ کے حکم پر وہاں پہنچے، اور یہ شاید حضرت کے صاحبزادے سے ہماری پہلی ملاقات تھی۔ جوانی میں ہی باعلم، باعمل، باادب، باذوق اور نفیس انسان معلوم ہوئے۔ نسخوں کی تلاش میں خوب تعاون فرمایا اور اپنے قلم سے نسخ کیا ہوا نسخہ بھی عنایت فرمایا۔ ما شاء اللہ بہت عمدہ اور واضح خط تھا جس کو دیکھ کر اندازہ ہوا کہ حضرت شیخ نے اپنے صاحبزادے کی کس نوعیت کی تربیت فرمائی ہے!

اس سے یہ بھی اندازہ ہوا کہ اندرون سندھ کے قدیمی کتب خانوں کی زیارت کے وقت شیخ اپنے صاحبزادے کو بھی ساتھ رکھتے تھے اور جہاں کہیں ضرورت پڑ گئی ان سے مخطوط بھی نقل کرا لیا۔ اس کے بعد سے ہمارا تعارف آگے بڑھا۔ سال گزرتے گئے، بھائی عبدالشہید بھی (Ph.D) ڈگری حاصل کرکے یونیورسٹی کے مختلف شعبوں میں مختلف مناصب پر فائز ہوتے رہے۔ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کے انتقال پر ملال کے موقع پر اتفاق سے یہ خاکسار بھی کراچی ہی میں تھا، جنازے میں شرکت بھی نصیب ہوئی اور بھائی نعمانی صاحب سے تعزیت کے لیے مختصر ملاقات بھی ہوئی۔ اس کے چند سال بعد ایک دفعہ مکہ مکرمہ عمرے پر تشریف لائے، مدرسہ صولتیہ کے قریب کسی ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے تھے، بندہ کو پاکستان سے کسی دوست نے اطلاع دی، مگر افسوس کہ بندہ اس وقت گرمی کی چھٹیوں کی وجہ سے پاکستان آیا ہوا تھا، اس لیے شرفِ ملاقات حاصل نہ ہو سکا۔

جب سے ٹچ موبائل اور واٹس ایپ سسٹم شروع ہوا تو ہلکا پھلکا کانٹیکٹ رہا۔ کبھی کبھار (Ph.D) کنڈیڈیٹس کے اپنے شاگردوں کی لکھی ہوئی تھیسس بھی ایوالیشن رپورٹ کے لیے بھیج دیا کرتے تھے۔

سن ۲۰۱۸ میں حضرت مولانا ڈاکٹر محمد ادریس سومرو حفظہ اللہ اور چند احباب کے ہمراہ حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالحلیم چشتی نور اللہ مرقدہٗ سے شرفِ ملاقات اور شرفِ تلمذ واجازتِ حدیث کی غرض سے جامعۃ الرشید کے احاطے میں حضرتؒ کی قیام گاہ پر حاضری ہوئی تو بھائی عبدالشہید صاحب بھی وہاں موجود تھے، جو اَب عمر رسیدہ ہو چکے تھے اور بڑھاپے کی علامات ان پر عیاں تھیں۔ حضرت چشتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سند کے ایک کونے پر انہوں نے بھی اپنی اجازت سے نوازتے ہوئے دستخط فرما دیے۔

اس علمی مجلس کے برخواست ہوتے ہی قریب ہوئے اور فرمایا کہ میرا غریب خانہ بھی یہاں سے

قریب ہے، چائے کی ایک نشست میرے گھر میں ہوگی۔ حضرت اپنے گھر لے گئے اور کافی دیر علمی مذاکرہ اور حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی یادیں تازہ فرماتے رہے۔

یہ جے پوری راجپوتی خاندان گرچہ راجستھان انڈیا سے ہجرت کر کے سندھ میں آباد ہوا، جہاں ان کا باقی خاندان اب بھی رہائش پذیر ہے۔ جے پور راجستھان کے حضرت مولانا مفتی احمد حسن خان ٹونکی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردِ رشید حضرت مولانا مفتی محمد ذاکر نعمانی صاحب زید مجدہٗ سے اب بھی حضرت شیخ نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت سے ہمارا رابطہ رہتا ہے، مگر اس خاندان کے علمی اعمال سے علماء سندھ کے ساتھ محبت، قدردانی اور لگن کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے!

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ اپنی زندگی میں سندھ کے قدیم کتب خانوں کی زیارت کرتے رہتے اور وہاں سے علمی جواہرات کا چناؤ کرتے رہتے، چونکہ ان کے شروعاتی دور میں فوٹو اسٹیٹ کاپی کی سہولت نہ تھی تو ہلکے پھلکے رسائل خود یا اپنے صاحبزادے عبدالشہید میاں سے نسخ کرواتے رہتے اور کتاب بڑی ہوتو اہم نکات اپنے نوٹ بک یا خاص ڈائری میں لکھتے رہتے۔

اس نوعیت کے نوٹس حضرت نے خود بندہ کو بھی کشف الرین کی تحقیق کے دوران دکھائے تھے۔

ان کتب خانوں کی خالی زیارت ہی نہیں، بلکہ وہاں بیٹھ کر وقت لگا کر بطور علمی خدمت ان کی فہارس بھی بناتے رہے، حتیٰ کہ ایک دفعہ حضرتؒ نے فرمایا کہ مدرسہ مظہر العلوم کھڈہ کراچی کے کتب خانے کی قلمی کتب کی فہرست بھی حافظ محمد اسماعیل میمن مرحوم کے دور میں ہم نے خود بنائی تھی!

نیز حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ بذات خود چھٹی صدی ہجری کے فقیہ امام مسعود بن شیبہ سندھیؒ (ت، ق ۷ھ) کی کتاب التعلیم، مخدوم محمد معین ٹھٹھوی سندھیؒ (ت:۱۱۶۱ھ) کی معرکۃ الآراء کتاب ''دراسات اللبیب في الأسوۃ الحسنۃ بالحبیب''، اور اس پر امام محمد ہاشم ٹھٹھویؒ کے صاحبزادے علامہ مخدوم عبد اللطیف ٹھٹھوی سندھیؒ (ت: ۱۱۸۷ھ) کا علمی محکم رد ''ذب ذبابات الدراسات عن المذاهب الأربعة المتناسبات'' جیسی مؤلفات کو ایڈٹ کرتے رہے، جن کو سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سندھ سے مختلف سالوں میں چھپوایا گیا۔

نیز اس تربیت کا اثر یہ بھی تھا کہ بھائی ڈاکٹر عبدالشہید مرحوم نے امام ابوجعفر دیبلی سندھیؒ (ت: ۳۲۲ھ) کی کتاب ''مکتوبات النبي صلی اللہ علیه وسلم'' کا اردو ترجمہ کیا جس کو بعد میں بندہ کے بیٹے محمد طاہر مرحوم کے ساتھی مولوی سلیم اللہ چوہان سلمہ نے سندھی لبادہ اوڑھایا۔

نیز حضرت شیخ کے برادرِ محترم حضرت مولانا ابوالعلا محمد عبدالعلیم ندوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مخدوم

محمد ہاشم ٹھٹھویؒ (ت: ۱۱۷۴ھ) کی تین کتابوں: ’’تنقيح الكلام في النهي عن قراءة الفاتحة خلف الإمام‘‘، ’’كشف الرين عن مسئلة رفع اليدين‘‘، اور ’’فرائض الإسلام‘‘ کا اردو ترجمہ کیا جو سب جامعہ مدینۃ العلوم بھینڈ و حیدرآباد کی طرف سے شائع ہوئے۔

حضرتؒ کے بھتیجے جناب مولانا ڈاکٹر محمد عبد المقیت شاکر علیمی رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ محمد معین ٹھٹھویؒ کے تصوف میں لکھے ہوئے فارسی ’’رسالہ اویسیہ‘‘ کا اردو ترجمہ اور تعلیقات کر کے زیب ادبی مرکز حیدرآباد سندھ سے سن ۲۰۰۲ء میں چھپوایا، جس کا ایک نسخہ انہوں نے خود مکہ مکرمہ میں بندہ کو بھی عنایت فرمایا تھا۔

علماء سندھ سے متعلق یہ سارے اعمال اس خاندان کے پلے پڑے جن سے ان کے علمی ذوق اور علماء سندھ سے محبت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے!

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی علماء سندھ سے محبت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے امام ابو الحسن کبیر سندھیؒ کی سوانح حیات پر ایک بہت بڑا اردو مضمون لکھا تھا جو غالباً بینات میں متعدد قسطوں میں چھپا تھا، جو بندہ کی (Ph.D) تھیسس کی بنیاد بنا۔

حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ: مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی رحمۃ اللہ علیہ میرے نزدیک شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے پائے کے عالم ہیں، بس دونوں میں فرق یہ ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ کا علم لدنی ہے اور حضرت ٹھٹھویؒ کا کسبی۔

ابھی چند دن پہلے میرے شیخ زادے حضرت مولانا ڈاکٹر عبد الشہید نعمانی صاحبؒ کے انتقال کی خبر موصول ہوئی تو دلی صدمہ ہوا اور تقریباً آدھی صدی ہجری کی تاریخ دل، دماغ اور آنکھوں کے سامنے گھوم گئی۔

ان کی وفات حسرت آیات سے علمی میدان میں بہت بڑا خلا پیدا ہو گیا۔ وہ محقق، مدرس، مصنف اور کامیاب اداری رہبر ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے والد بزرگوار کی سنت اسناد حدیث کو زندہ کرتے ہوئے کئی مجالس سماعِ حدیث میں بھی شرکت کرتے رہتے تھے اور سیکڑوں عرب وعجم کے شائقین حدیث کی علمی تشنگی دور کرتے ہوئے انہیں اپنی اجازتِ حدیث سے نوازتے رہے۔

اللہ تعالیٰ ان کے تمام علمی اعمال کو شرفِ قبولیت سے نوازے اور ان کی کروٹ کروٹ مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے، اور پسماندگان کو صبرِ جمیل کی توفیق مرحمت فرمائے، آمین۔

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

غیرمسلم کی دعوت میں شرکت

ادارہ

سوال

میں قطر میں رہتا ہوں، کیا ہم کسی غیرمسلم کے گھر جا سکتے ہیں اور وہاں کھا بھی سکتے ہیں؟ اسی طرح ان کو اپنے گھر بھی بلا سکتے ہیں؟ میرے آفس میں ایک ہندو لڑکا ہے، اس نے ہمیں ایک پاکستانی ریسٹورنٹ میں دعوت دی، جس میں سب کی فیملیز بھی شامل تھیں، مردوں اور عورتوں میں پارٹیشن تھا، کیا ایسی دعوت میں جانا جائز ہے جو کہ ایک ہندو نے دی؟ اور وہ ہندو لڑکا نہ میرا باس ہے اور نہ میں اس کا باس ہوں۔

جواب

اسلامی اخلاق و رواداری اور غیرمسلموں کو اسلام کی طرف مائل کرنے کی غرض سے ان کے گھر جانے یا انہیں اپنے گھر بلانے کی اجازت ہے، اسی طرح ان کی دعوت میں شرکت کرنے کی بھی اجازت ہے، بشرطیکہ دعوت کسی مذہبی تہوار کی مناسبت سے نہ ہو، یا دعوت میں حرام اشیاء (شراب، خنزیر یا حرام ذبیحہ وغیرہ) نہ ہوں، تاہم کفار کے ساتھ دوستانہ تعلقات یعنی دلی محبت یا ان کی طرف میلان رکھنا جائز نہیں ہے۔

''فتاویٰ ہندیہ'' میں ہے:

''الْأَكْل مَعَ الْمَجُوسِيِّ وَمَعَ غَيْرِهِ مِنْ أَهْلِ الشِّرْكِ أَنَّهُ هَلْ يَحِلُّ أَمْ لَا؟ وَحُكِيَ عَنْ الْحَاكِمِ الْإِمَامِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْكَاتِبِ أَنَّهُ إِنِ ابْتُلِيَ بِهِ الْمُسْلِمُ مَرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ فَلَا بَأْسَ بِهِ، وَأَمَّا الدَّوَامُ عَلَيْهِ فَيُكْرَهُ، كَذَا فِي الْمُحِيطِ.

وَذَكَرَ الْقَاضِي الْإِمَامُ رُكْنُ الْإِسْلَامِ عَلِيٌّ السُّغْدِيُّ أَنَّ الْمَجُوْسِيَّ إِذَا كَانَ لَايُزَمْزِمُ فَلَا بَأسَ بِالْأَكْلِ مَعَهُ وَإِنْ كَانَ يُزَمْزِمُ فَلَا يَأكُلُ مَعَهُ؛ لِأَنَّهُ يُظْهِرُ الْكُفْرَ وَالشِّرْكَ، وَلَايَأكُلُ مَعَهُ حَالَ مَا يُظْهِرُ الْكُفْرَ وَالشِّرْكَ، وَلَا بَأسَ بِضِيَافَةِ الذِّمِّيِّ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ بَيْنَهُمَا إِلَّا مَعْرِفَةٌ، كَذَا فِي الْـمُلْتَقَطِ. وَفِي التَّفَارِيْقِ: لَا بَأسَ بِأَنْ يُضِيْفَ كَافِرًا لِقَرَابَةٍ أَوْ لِحَاجَةٍ، كَذَا فِي التُّمُرْتَاشِيِّ.

وَلَا بَأسَ بِالذَّهَابِ إِلٰى ضِيَافَةِ أَهْلِ الذِّمَّةِ، هٰكَذَا ذَكَرَ مُحَمَّدٌ - رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰى - وَفِي أُضْحِيَّةِ النَّوَازِلِ: الْمَجُوسِيُّ أَوْ النَّصْرَانِيُّ إِذَا دَعَا رَجُلًا إِلٰى طَعَامِهٖ تُكْرَهُ الْإِجَابَةُ، وَإِنْ قَالَ: اشْتَرَيْتُ اللَّحْمَ مِنْ السُّوقِ فَإِنْ كَانَ الدَّاعِيْ نَصْرَانِيًّا فَلَا بَأسَ بِهٖ.'' (الْبَابُ الرَّابِعَ عَشَرَ فِي أَهْلِ الذِّمَّةِ وَالْأَحْكَامِ الَّتِي تَعُودُ إِلَيْهِمْ، ۵ / ۳۴۷)

فقط اللہ اعلم

فتویٰ نمبر:144105201018 دارالافتاء: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

نَقدُ و نظَر

ادارہ

تزيين الظرف بأزهار قوانين الصرف

افادات: حضرت مولانا مفتی رضاء الحق صاحب (شیخ الحدیث دار العلوم زکریا، جنوبی افریقہ)۔ جمع وترتیب: مولانا جنید (استاذ دار العلوم زکریا، جنوبی افریقہ)۔ صفحات: ۲۴۸۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: مكتبة الشيخين، الامارات عطر سینٹر، مین بازار گلا طے، شاہ منصور، صوابی۔ رابطہ نمبر: 0300-9084775

زیرِ تبصرہ کتاب علومِ عربیہ میں سے بنیادی اور اہم ترین علم ''علمِ صرف'' سے متعلق ہے۔ علمِ صرف اُن اصول وضوابط کا علم ہے جن کے ذریعہ ایک کلمہ سے دوسرا کلمہ بنایا جاتا ہے اور صیغوں میں تبدیلی کا طریقہ معلوم کیا جاتا ہے۔ عربی زبان میں مختلف صیغے اور الفاظ کی مختلف بناوٹیں اور شکلیں ہوتی ہیں، صیغہ کلمہ اور لفظ کی اس شکل کو کہا جاتا ہے جو حرکات وسکنات اور حروف کی مخصوص ترتیب اور بناوٹ سے حاصل ہوتی ہے، صیغہ کی پہچان کے بغیر عربی عبارت کا ترجمہ کرنا اور درست تشریح سمجھنا مشکل ہے۔

صرف کے بارے میں مقولہ مشہور ہے کہ ''الصرف أم العلوم''، یعنی ''علمِ صرف تمام علومِ عربیہ کی ماں ہے''، یعنی عربی زبان کے لیے صرف کی حیثیت اور اہمیت ایسی ہی ہے جیسے بچوں کے لیے ایک ماں کی ہوتی ہے، اور یہ حقیقت بھی ہے کہ علمِ صرف کے بغیر عربی زبان کے باقی علوم اور عربی ذخیرہ سے حتیٰ کہ قرآن وحدیث سے استفادہ کرنا مشکل ہے۔

زیرِ تبصرہ کتاب ماہرِ فن بزرگ عالم دین حضرت مفتی رضاء الحق صاحب سابق استاذِ جامعہ کے صرفی افادات کا مجموعہ ہے، آپ اس وقت دار العلوم زکریا، جنوبی افریقہ کے شیخ الحدیث اور وہاں کے مفتی اعظم ہیں۔ ۱۹۸۷ء کے بعد جب آپ دار العلوم زکریا جنوبی افریقہ منتقل ہوئے تو ابتدائی سالوں میں وہاں علمِ صرف

بھی پڑھانے کا موقع ملا، آپ کے درسی افادات کو طلبہ نے قلم بند کرلیا، آپ کے انہی افادات کو دارالعلوم زکریا افریقہ کے استاذ مولانا جنید صاحب نے جمع وترتیب دیا اور مولانا طلحہ بن امجد العطاس صاحب نے اس پر تحقیق واضافہ کی خدمت انجام دی ہے۔ کتاب کا یہ چوتھا ایڈیشن ہے۔ اس سے پہلے یہ کتاب تین مرتبہ شائع ہوچکی ہے، پہلی مرتبہ پشاور (پاکستان) سے، دوسری مرتبہ دیوبند (ہندوستان) سے اور تیسری مرتبہ لاہور (پاکستان) سے شائع ہوئی اور اب یہ چوتھا ایڈیشن صوابی (پاکستان) سے شائع ہوا ہے۔

کتاب میں صرفی قواعد کو آسان الفاظ میں بیان کرنے کے ساتھ صیغوں کی تعلیلات، گردانیں اور گردانوں کی مشق کے لیے مختلف مصادر دیے گئے ہیں، معتل کے باب میں اصل حالت اور تعلیل کے بعد کی حالت کے بیان کرنے کے لیے نقشے بنائے گئے ہیں، بعض مقامات پر ضروری حواشی بھی درج کیے گئے ہیں۔

کتاب کارڈ کور کے ساتھ ادنیٰ کاغذ پر طبع کی گئی ہے۔ اندرونی صفحات کی سیٹنگ عمدہ ہے۔ ٹائٹل دیدہ زیب ہے۔

تفریح الفؤاد بتشریح ''بانَت سُعاد''

افادات: حضرت مولانا مفتی رضاء الحق صاحب (شیخ الحدیث دارالعلوم زکریا، جنوبی افریقہ)۔ تشریح وترتیب: مولانا محمد عثمان بستوی ومولانا عبداللہ امتیاز کارا۔ صفحات: ۴۰۹۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: مکتبۃ الشیخین، الامارات عطر سینٹر، مین بازار گلاطے، شاہ منصور، صوابی۔ رابطہ نمبر: 0300-9084775

قصیدہ ''بانَت سُعاد'' صحابیِ رسول حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کا کہا ہوا ایک مقبول ومعروف قصیدہ ہے، جو ۶۰ ؍اشعار پر مشتمل ہے۔ اس قصیدہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح وثناء کی گئی ہے، حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں خود پڑھ کر سنایا جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی پسندیدگی کا اظہار فرما کر اُنہیں اپنی چادر مبارک بطور انعام عطا فرمائی، اسی وجہ سے اس قصیدہ کو قصیدہ بردہ بھی کہہ دیا جاتا ہے، کیونکہ بردہ عربی میں چادر کو کہتے ہیں۔

اگرچہ قصیدہ بردہ کے نام سے زیادہ مشہور ومعروف وہ قصیدہ ہے جو امام شرف الدین بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں لکھا ہے۔

قصیدہ ''بانَت سُعاد'' کی مقبولیت اور اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اب تک اس کی ڈیڑھ سو شروحات اور حواشی صرف عربی زبان میں لکھے گئے ہیں۔ بڑے بڑے معتبر علماء نے اس کتاب پر شروح اور حواشی لکھے ہیں۔

زیرِتبصرہ کتاب اس قصیدے کی اردو زبان میں مفصل اور جامع شرح ہے۔ ہر شعر کا ترجمہ دو طرح کیا گیا ہے: ایک ترجمہ شعری انداز میں ہے اور دوسرا ترجمہ نثر کے انداز میں ہے۔ لغات اور صیغوں کو حل کیا گیا ہے۔ تشریح میں اشعار میں موجود علمِ بلاغت، بیان اور بدیع کے نِکات بھی بیان کیے گئے ہیں۔ اشعار کی نحوی ترکیب اور علمِ عروض کے اعتبار سے تقطیع بھی کی گئی ہے۔ کتاب کے آخر میں شرح میں مذکور بلاغی اصطلاحات کی فہرست بھی دی گئی ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے، قارئین کے لیے نافع بنائے، شارح، مرتبین اور ناشرین کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے، حضور ﷺ کے مبارک تذکرہ کی برکت سے قارئین کو حضور اکرم ﷺ کی محبت وعقیدت نصیب فرمائے، آمین

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....